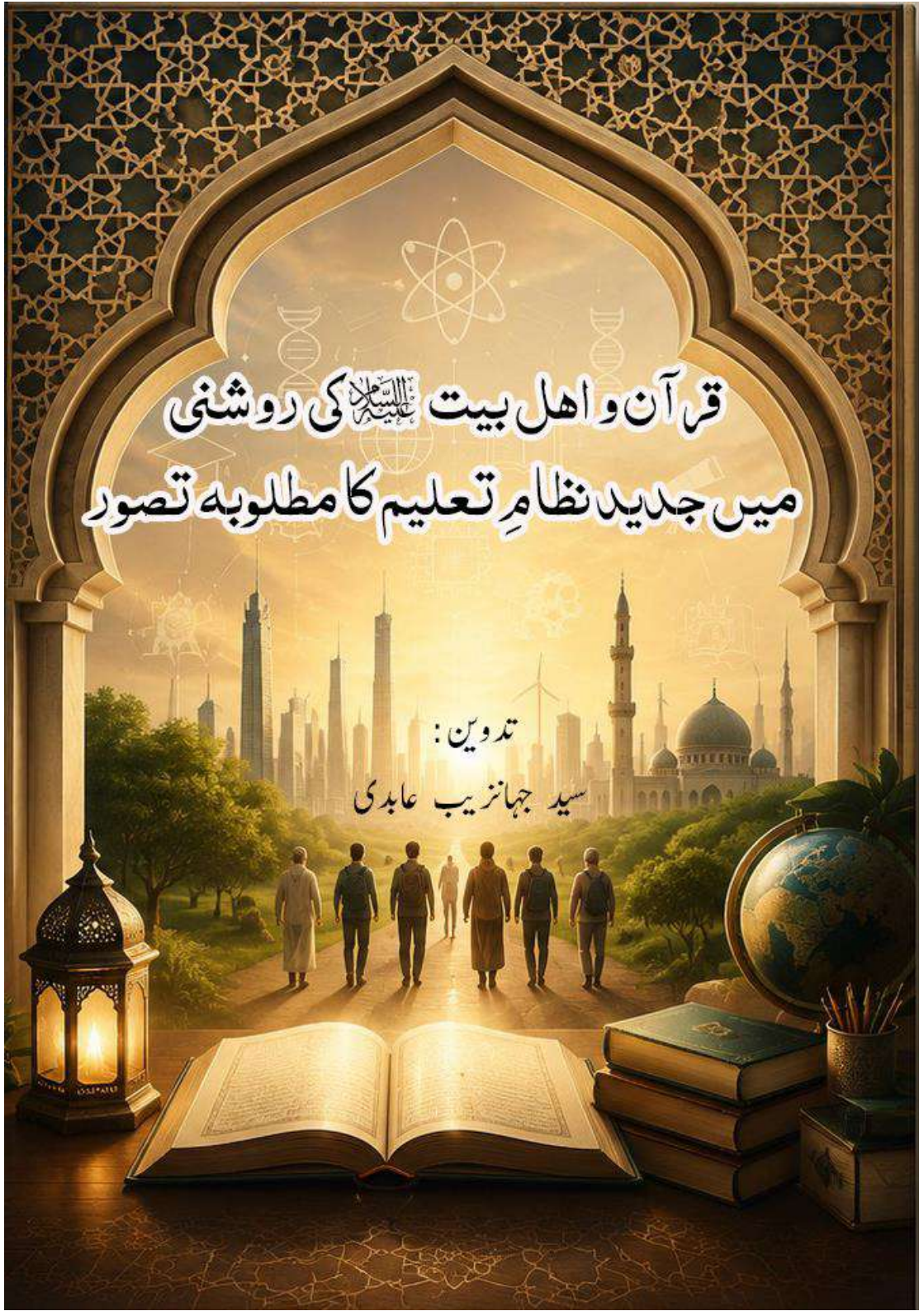
قرآن و اہل بیت علیہ السلام کی روشنی
میں جدید نظامِ تعلیم کا مطلوبہ تصور
تدوین :
سید جہانزیب عابدی

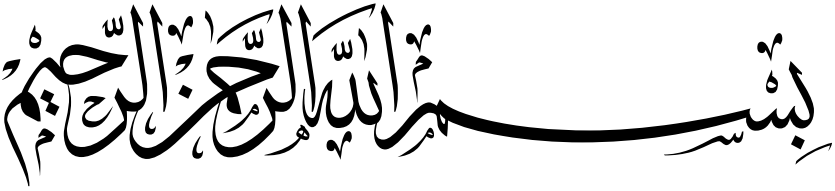

فہرست عناوین

تعارف 11

تعلیم کا پہلا سوال: انسان کون ہے؟ 17

علم: روزگار کا ذریعہ نہیں، نور اور امانت 18

دنیا کو ترک نہیں کرنا، دنیا کو آخرت کا وسیلہ بنانا ہے 19

کامیابی کی تعریف بدلنا ہوگی 21

محنت کو عبادت بنانے والا نظام 22

تعلیم اور استکبار کے درمیان ایک بنیادی دیوار 24

آزادیِ فکر، مگر وحی سے آزاد نہیں 25

صارفی انسان کے بجائے ذمہ دار انسان 26

سائنس اور ٹیکنالوجی: نہ رد، نہ تقدیس 27

ہر علم کے ساتھ ایک اخلاقی اور توحیدی سوال 29

استاد: معلومات دینے والا نہیں، مربی 30

طالب علم competitor نہیں، طالبِ حق 31

امتحان بھی انسان کو ناپے، صرف یادداشت کو نہیں 31

گھر، اسکول اور معاشرہ ایک ہی تربیتی ماحول 32

مکی شعور: نظامِ تعلیم کی روح 33

ظہورِ امام زمانہؑ کے لیے تعلیم 34
مطلوبہ نظام کا آخری ہدف: عبدِ صالح سے انسانِ مصلح تک 35
قرآن واہل بیتؑ کی روشنی میں مطلوبہ جدید نظامِ تعلیم کا عملی خاکہ 39
تعلیم کا مرکزی مقصد: انسان کی جامع تعمیر 40
نظامِ تعلیم کا بنیادی نظریاتی مرکز: توحید 41
دوسرا مرکز: عبداللہ 41
تیسرا مرکز: آخرت 42
چوتھا مرکز: کرامتِ انسان 43
پانچواں مرکز: عدل 44
نصاب کی نئی ساخت 45
علم کے دو پہلو: تخصص اور بصیرت 45
عمر کے مراحل کے مطابق تربیت 46
ابتدائی تعلیم: محبت، فطرت اور عادت سازی 47
ثانوی تعلیم: شعور، شناخت اور فکری آزادی 48
میڈیا اور ڈیجیٹل شعور 49
معاشی تعلیم: کماؤ، مگر غلام نہ بنو 50
پیشہ ورانہ تعلیم Career : نہیں، Mission 50
محنت اور excellence کی تربیت 51

تحقیق: سوال سے خدمت تک 52
امتحان سے زیادہ مسئلہ حل کرنا 53
مدرسہ اور جدید تعلیم کی مصنوعی تقسیم 53
ادارے کا ماحول خود نصاب ہو گا 54
Discipline :خوف نہیں، خود نظم 55
استاد کی تربیت سب سے اہم اصلاح 56
والدین کو نظام کا شریک بنانا 56
متبادل تعلیمی مراکز کی ضرورت 57
عالمی معیار کی تعلیم، مگر تہذیبی غلامی نہیں 58
اس نظام کی کامیابی کا اصل پیمانہ 59
ایک نئے تعلیمی انسان کی تشکیل 60
قرآنی واہل بیتی تعلیمی ماڈل: بچپن سے یونیورسٹی تک 62
پہلا مرحلہ: عمرِ طفولیت—"میں اللہ کا بندہ ہوں" 62
دوسرا مرحلہ: عمرِ ابتدائی—"میں اللہ کو پہچانتا ہوں" 64
تیسرا مرحلہ: عمرِ قبل بلوغ—"میں اپنے نفس کا ذمہ دار ہوں" 66
چوتھا مرحلہ: بلوغ اور مکی شعور—"میں حق و باطل کو پہچانتا ہوں" 67
پانچواں مرحلہ: ثانوی تعلیم—"میں اپنی زندگی کا مقصد جانتا ہوں" 69
چھٹا مرحلہ: یونیورسٹی سے پہلے کا "تمدنی شعور" 71

ساتواں مرحلہ: یونیورسٹی — "میں اپنے علم کو امانت سمجھتا ہوں" 71

آٹھواں مرحلہ: یونیورسٹی میں "علم سے خدمت" 73

نواں مرحلہ: پیشہ ورانہ زندگی کی دہلیز — "میرا کام میری عبادت ہے" 74

دسواں مرحلہ: "مصلح انسان" 76

عبداللہ کی عمر بہ عمر تکمیل 77

اس پورے سفر کا ایک جامع تربیتی تسلسل 78

لیکن ایک بنیادی سوال ابھی باقی ہے 79

قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں جدید جامع نصاب کا تصور 81

نصاب کی پہلی بنیاد: علم کو مضامین میں نہیں، حقیقت کے نظام میں دیکھنا 81

نصاب کے چار بنیادی دائرے 83

کون سے علوم بنیادی ہوں؟ 84

قرآن کو تمام علوم سے کیسے جوڑا جائے؟ 86

ریاضی: عقل، نظم اور فیصلہ سازی کا علم 88

سائنس: کائنات پر تسلط نہیں، معرفت اور امانت 89

طب اور Health Science: جسم سے روح تک 90

زراعت، خوراک اور ماحولیات 91

تاریخ: بادشاہوں کی تاریخ نہیں، انسانی فیصلوں کی تاریخ 92

جغرافیہ: زمین، وسائل اور ذمہ داری 93

معاشیات: دولت سے پہلے فلاح 94

Finance اور Entrepreneurship 95

Psychology: انسان کو صرف دماغ اور behavior نہ سمجھنا..... 96

Sociology اور Anthropology..... 97

فلسفہ اور منطق: سوال کرنے کی تربیت 98

زبانیں: زبان بطور worldview 99

ادب: انسانی باطن کی تعمیر..... 100

Media Literacy اور Information Literacy 101

Information Technology صرف computer چلانا نہیں 102

Data Science اور Big Data..... 106

Cybersecurity حفاظت بطور امانت..... 107

Robotics اور Automation 107

Biotechnology، Genetics اور Bioethics 108

Nanotechnology، Materials Science اور Advanced Engineering 109

Law اور Justice Studies 110

Political Science اور Governance..... 110

International Relations اور Global Studies 111

Civilization Studies: اپنی تہذیب اور دوسری تہذیبوں کو سمجھنا..... 113

Development Studies ترقی کا نیا تصور 113

Environmental Ethics اور Climate Studies 114

Media، Art اور Design 115

Education Studies خود ایک بنیادی علم 116

Special Education اور Inclusive Education 117

Physical Education، Nutrition اور Life Sciences 117

Home Economics اور Family Studies 118

Life Skills اور Self-Mastery 118

Citizenship اور Social Service 119

Critical Thinking اور Intellectual Self-Defense 120

Research Methodology ہر طالب علم کے لیے 121

مشترک مضامین اور تخصصی علوم میں فرق 122

ہر مضمون کے لیے ایک ہی اسلامی integration framework 123

ایک بہت اہم فرق: Islamization نہیں، Reconstruction 125

نصاب کا آخری مقصد: "ماہر انسان" نہیں، "عبد اللہ ماہر" 126

آخر کار نصاب کی مکمل ساخت کیا بنے گی؟ 128

سیکولر نظام کے ساتھ عبدُاللّٰہی تعلیمی ماڈل کی متوازی تعمیر 132

موجودہ نظام کو مکمل دشمن سمجھنے کے بجائے اسے خام academic infrastructure سمجھنا..... 134

دوہری کامیابی: academic excellence اور عبدُاللّٰہی excellence 135

ایک official curriculum، دوسرا formation curriculum 137

سب سے اہم چیز: ہفتے کے چند گھنٹے نہیں، پورے ہفتے کا hidden curriculum 138

"عبدُاللّٰہی احساس" کو نصابی مضمون نہیں، زندگی کا زاویہ بنانا 140

"ہر مضمون کے اندر ایک اسلامی سوال" 141

قرآن کو الگ خانہ نہیں، interpretive lens بنانا 143

اہل بیتؑ کی سیرت کو conceptual training بنانا 144

مکی شعور کا بنیادی اصول: پہلے سوال بدلیں 145

گھر کو دوسرا مدرسہ نہیں بلکہ پہلی فکری پناہ گاہ بنانا 147

"pre-bunking": نظریاتی حملے کے بعد نہیں، پہلے تیاری 148

Examination کے بغیر assessment کیسے ہوگی؟ 149

عبادت کو school life سے جوڑنا 151

"کام عبادت ہے" کو عملی طور پر کیسے پیدا کیا جائے؟ 152

Consumerism کا مقابلہ lectures سے نہیں، lifestyle سے 153

Career guidance کو عبدُاللّٰہی بنانا 154

استاد اس متوازی نظام کا سب سے اہم ستون ہوگا 155

چھوٹے، غیر نمایاں مگر مسلسل تربیتی units 156

چھوٹے حلقے formation communities: کے بجائے mass education 157

"ہم اور وہ" کی ذہنیت سے بچنا 158

اصل دفاع: تہذیبی احساسِ کمتری کا خاتمہ 159

"Alternative Parallel Track" کا عملی نتیجہ 160

اس model میں طالب علم کو "دوہری شخصیت" نہیں بنانا 161

آخر میں: متوازی نظام کا اصل architecture 162

تعارف

تعلیم کسی بھی معاشرے کے مستقبل کی تشکیل کا بنیادی ذریعہ ہے۔ یہ صرف معلومات کی منتقلی، کسی پیشے کے لیے مہارت پیدا کرنے یا روزگار کے حصول کی تیاری کا نام نہیں، بلکہ دراصل انسان کے تصورِ ذات، تصورِ علم، تصورِ زندگی، اخلاق، ترجیحات اور اجتماعی کردار کی تشکیل کا ایک جامع عمل ہے۔ اس لیے کسی بھی تعلیمی نظام کو سمجھنے کے لیے یہ سوال زیادہ بنیادی ہے کہ وہ انسان کو کیا بنانا چاہتا ہے۔ اگر تعلیم کا مقصد صرف ایک باصلاحیت کارکن، کامیاب پیشہ ور یا معاشی طور پر مفید فرد پیدا کرنا ہو تو اس کی پوری ساخت اسی مقصد کے گرد تشکیل پائے گی؛ لیکن اگر تعلیم کا مقصد ایک باکردار، ذمہ دار، صاحبِ بصیرت اور خیر و عدل کے قیام میں مؤثر انسان پیدا کرنا ہو تو پھر نصاب، تدریس، تربیت، استاد، طالب علم، تحقیق، امتحان اور پورے تعلیمی ماحول کی تشکیل بھی اسی جامع مقصد کے مطابق کرنا ہو گی۔

موجودہ جدید تعلیمی نظام نے علم، سائنس، ٹیکنالوجی، تخصص اور پیشہ ورانہ مہارت کے میدان میں غیر معمولی امکانات پیدا کیے ہیں، لیکن اس کے ساتھ تعلیم کے مقصد اور انسان کی آخری غایت کے بارے میں بنیادی سوالات بھی

پیدا ہوئے ہیں۔ جب تعلیم کو بنیادی طور پر معاشی ترقی، روزگار، مسابقت، پیداوار اور مارکیٹ کی ضروریات سے وابستہ کر دیا جائے تو انسان بتدریج ایک معاشی وسیلے یا انسانی سرمائے میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ ایسے ماحول میں یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ علم انسان کو زیادہ باصلاحیت تو بنا دے، مگر ضروری نہیں کہ اسے زیادہ ذمہ دار، عادل، متواضع اور انسان دوست بھی بنائے۔ زیرِ نظر تحریر اسی بنیادی سوال کو مرکز بناتی ہے کہ جدید تعلیم کی علمی و فنی قوتوں کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی سمت کو کس طرح ایک ایسے جامع انسانی تصور سے مربوط کیا جائے جو انسان کو محض صارف، مسابقت کار یا پیشہ ور نہیں بلکہ ذمہ دار اور صاحبِ کردار انسان بنائے۔

قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں انسان کا تصور اس بحث کو ایک بنیادی نظریاتی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ انسان محض معاشی وجود، حیاتیاتی مخلوق یا کسی معاشی نظام کے لیے انسانی وسیلہ نہیں، بلکہ اللہ کا بندہ، صاحبِ کرامت، صاحبِ اختیار و ذمہ داری اور زمین پر خلافت کی ذمہ داری اٹھانے والا وجود ہے۔ چنانچہ تعلیم کا بنیادی مقصد بھی ایسے انسان کی جامع تعمیر ہونا چاہیے جو اپنے رب کو پہچانے، اپنے نفس کو سمجھے، کائنات کو آیاتِ الٰہی کے طور پر دیکھے، حق و باطل میں تمیز

کرے، اپنے اختیار کو امانت سمجھے اور اپنے علم و صلاحیت کو خیر، عدل اور خدمت کے لیے استعمال کرے۔

اس تناظر میں قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں مطلوبہ جدید نظامِ تعلیم موجودہ نظام میں محض اسلامیات کے چند ابواب شامل کرنے، قرآن یا عربی کی ایک اضافی کتاب پڑھانے یا مذہبی سرگرمیوں میں اضافہ کرنے کا نام نہیں۔ یہ دراصل تعلیم کے پورے فلسفے پر دوبارہ غور کا تقاضا کرتا ہے؛ یعنی تصورِ انسان، تصورِ علم، تصورِ کامیابی، تصورِ ترقی، نصاب، تدریس، تربیت، assessment، استاد، طالب علم، تحقیق، پیشہ ورانہ زندگی اور معاشرتی کردار کو توحید کے مرکزی تصور سے مربوط کرنا ہوگا۔ اس نظام میں اسلامیات کسی ایک الگ مضمون تک محدود نہیں رہتی بلکہ قرآنی worldview پورے تعلیمی عمل کے لیے ایک فکری اور اخلاقی زاویۂ نظر فراہم کرتا ہے۔

اس تصور میں علم کو محض روزگار یا معاشی منفعت کا ذریعہ نہیں بلکہ نور، امانت اور معرفت کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ وحی اور عقلِ سلیم کے باہمی ربط کے ذریعے علم کو معرفتِ الٰہی، تزکیۂ نفس اور اجتماعی عدل کی طرف لے جانے والی قوت قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب دنیاوی علوم یا جدید سائنس و ٹیکنالوجی

سے انکار نہیں، بلکہ ان کے مقاصد اور استعمال کو ایک وسیع تر اخلاقی و توحیدی افق سے وابستہ کرنا ہے۔ چنانچہ سائنس، طب، انجینئرنگ، معاشیات، ٹیکنالوجی اور دیگر جدید علوم میں اعلیٰ مہارت مطلوب ہے، لیکن یہ مہارت انسان اور معاشرے کی خیر، عدل، امانت اور ذمہ داری سے جدا نہیں ہو گی۔

اسی بنیاد پر اس تحریر میں تعلیم کو محض نصاب نہیں بلکہ ایک جامع انسانی تشکیل کے منصوبے کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ اس نظام میں علم اور تربیت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے بلکہ علم، ایمان، اخلاق، عمل، مہارت اور اجتماعی ذمہ داری ایک ہی شخصیت کے مختلف پہلو ہوں گے۔ نصاب اس نظام کا اہم حصہ ہو گا، لیکن استاد، تعلیمی ماحول، خاندان، معاشرہ، میڈیا، معیشت، ریاست اور تدریسی و جائزہ جاتی نظام بھی انسان سازی کے اسی عمل میں شریک ہوں گے۔

اس تحریر کا مرکزی تصور "عبد اللہ" ہے؛ یعنی ایسا انسان جس کی بنیادی شناخت اس کا پیشہ، منصب، دولت یا تعلیمی qualification نہیں بلکہ اللہ کا بندہ ہونا ہے۔ ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان، استاد، تاجر، وکیل یا سیاست دان بننا اس کی پیشہ ورانہ شناخت ہو سکتی ہے، لیکن اس کی بنیادی شناخت عبدیت ہو گی۔ اس طرح پیشہ منزل کے بجائے خدمت کا میدان، مہارت مقصد کے بجائے

امانت، دولت غایت کے بجائے ذمہ داری کا ذریعہ اور علم محض طاقت کے بجائے نور بن جاتا ہے۔ تعلیم کا سفر یوں معلومات سے معرفت، معرفت سے شخصیت، شخصیت سے ذمہ داری اور ذمہ داری سے تمدنی کردار تک پہنچتا ہے۔ بالآخر مطلوبہ تعلیمی نظام کا ہدف صرف صالح فرد پیدا کرنا نہیں بلکہ ایسا مصلح انسان تشکیل دینا ہے جو علم و عمل کو عدل، خدمت اور انسانی کرامت کے ساتھ مربوط کرے، ظلم اور استکبار کی ساخت کو پہچانے، جدید علم و ٹیکنالوجی کو انسانی خیر کے لیے استعمال کرے اور دنیا کو آخرت سے جدا سمجھنے کے بجائے اسے آخرت کی تعمیر کا میدان سمجھے۔ اس اعتبار سے قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں جدید نظامِ تعلیم کا تصور محض ایک متبادل نصاب کی تجویز نہیں بلکہ انسان سازی، معاشرہ سازی اور بالآخر تمدن سازی کا ایک جامع تعلیمی وژن ہے، جس میں مختلف علوم اپنی تخصصی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے توحید، انسانی خلافت، کرامت اور اجتماعی عدل کے ایک مشترک مقصد سے مربوط ہو جاتے ہیں۔

اگر تعلیم کو صرف اس زاویے سے دیکھا جائے کہ بچہ کیا پڑھے گا، کون سی ڈگری حاصل کرے گا، کس یونیورسٹی میں داخلہ لے گا اور مستقبل میں کتنی

آمدنی حاصل کرے گا، تو ہم تعلیم کے سب سے اہم سوال کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اصل سوال یہ نہیں کہ تعلیم یافتہ انسان کیا کما سکے گا؟ بلکہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ انسان آخر بنے گا کیا؟ وہ اپنے علم، صلاحیت، دولت، اختیار اور پیشے کو کس مقصد کے لیے استعمال کرے گا؟ وہ کامیابی کو کس چیز کا نام سمجھے گا؟ اس کے نزدیک انسان کون ہے، کائنات کیا ہے، زندگی کا مقصد کیا ہے، علم کی حقیقت کیا ہے، آزادی کس چیز سے آزادی ہے، ترقی کس سمت کا نام ہے اور طاقت کس کی خدمت کے لیے استعمال ہونی چاہیے؟ یہی سوال کسی بھی نظامِ تعلیم کی روح متعین کرتے ہیں۔

اسی لیے قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں مطلوب جدید نظامِ تعلیم محض موجودہ نصاب میں اسلامیات کے چند ابواب بڑھا دینے، عربی یا قرآن کی ایک اضافی کتاب شامل کر دینے یا صبح کی اسمبلی میں چند مذہبی کلمات پڑھا دینے کا نام نہیں۔ یہ اس سے کہیں زیادہ بنیادی تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے۔ تعلیم کے پورے فلسفۂ وجود، تصورِ انسان، تصورِ علم، تصورِ کامیابی، تصورِ ترقی، نصاب، تدریس، تربیت، امتحان، استاد، طالب علم، ادارے، تحقیق، پیشہ ورانہ زندگی اور معاشرتی کردار کو توحید کے مرکز سے دوبارہ ترتیب دینا ہو گا۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو موجودہ تعلیمی ڈھانچے کے بارے میں پیش کیے گئے تجزیوں میں بار

بار سامنے آتا ہے کہ مسئلہ صرف دینی مضامین کی کمی نہیں بلکہ پورے تعلیمی framework کا ہے۔

تعلیم کا پہلا سوال: انسان کون ہے؟

قرآن کے نزدیک انسان نہ صرف معاشی جانور ہے، نہ محض ایک biological organism، نہ صرف ایک autonomous individual اور نہ ہی صرف کسی اقتصادی نظام کے لیے skilled human resource۔ انسان خدا کا بندہ، صاحبِ کرامت مخلوق، صاحبِ اختیار و ذمہ داری وجود اور زمین پر اللہ کی خلافت کی ذمہ داری اٹھانے والا انسان ہے۔ چنانچہ تعلیم کا بنیادی کام ایسے انسان کی تعمیر ہونا چاہیے جو اپنے رب کو پہچانے، اپنے نفس کو پہچانے، کائنات کو نشانیوں کی کتاب کے طور پر پڑھے، حق و باطل میں تمیز کرے، اپنے اختیار کو امانت سمجھے اور اپنے علم کو خدمت، عدل اور خیر کے لیے استعمال کرے۔

یہاں عبد اللہ کا تصور پورے نظامِ تعلیم کا مرکزی تصور بن جاتا ہے۔ طالب علم کی آخری شناخت ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان، وکیل، تاجر، استاد، افسر، سیاست دان یا ٹیکنالوجسٹ نہیں ہو گی؛ یہ سب اس کی پیشہ ورانہ شناختیں ہوں گی، مگر اس کی بنیادی شناخت عبد اللہ ہو گی۔ وہ ڈاکٹر ہو گا تو اللہ کا بندہ

ڈاکٹر، انجینئر ہو گا تو اللہ کا بندہ انجینئر، تاجر ہو گا تو اللہ کا بندہ تاجر، سائنس دان ہو گا تو اللہ کا بندہ سائنس دان اور سیاست دان ہو گا تو اللہ کا بندہ سیاست دان۔ یہ فرق بظاہر معمولی محسوس ہوتا ہے لیکن دراصل پورے تعلیمی فلسفے کو بدل دیتا ہے۔ موجودہ مادی نظام میں پہلے profession آتا ہے اور پھر اخلاق کو اس profession کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، جبکہ قرآنی نظام میں پہلے عبدیت آتی ہے اور پھر profession اس عبدیت کی خدمت کا ایک میدان بن جاتا ہے۔

چنانچہ مطلوبہ تعلیم طالب علم سے یہ نہیں کہے گی کہ "تم کچھ بنو" بلکہ پہلے یہ سکھائے گی کہ تم انسان بنو، بندۂ خدا بنو، صاحبِ کردار بنو، پھر جو بنو اسے امانت سمجھ کر بنو۔

علم: روزگار کا ذریعہ نہیں، نور اور امانت

استعماری اور سرمایہ دارانہ تصور میں علم کی قدر اکثر اس کی market utility سے متعین ہوتی ہے۔ کون سا علم زیادہ ملازمتیں فراہم کرتا ہے؟ کون سی skill زیادہ آمدنی پیدا کرتی ہے؟ کون سا شعبہ عالمی مارکیٹ میں زیادہ demand رکھتا ہے؟ کون سی degree زیادہ معاشی mobility

دیتی ہے؟اس طرح علم بتدریج ''علم'' سے ''human capital'' بن جاتا ہے۔

مطلوبہ اسلامی نظام اس تصور کو مکمل طور پر رد نہیں کرتا کہ علم انسان کو معاشی طور پر بااختیار بنائے؛ بلکہ وہ اس مقصد کو ایک بڑے مقصد کے اندر رکھتا ہے۔ تعلیم انسان کو معاشی طور پر مضبوط بھی بنائے گی، لیکن معاشی طاقت کو زندگی کا مقصد نہیں بنائے گی۔

علم کو قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق حقیقت، خدا، انسان اور کائنات کے درمیان تعلق کو سمجھنے کا وسیلہ بنانا ہو گا۔ اسی لیے علمی نظام میں وحی اور عقلِ سلیم کی ہم آہنگی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ تحقیقاتی تصور میں بھی علم کو محض اصطلاحات اور مجرد مباحث کے بجائے معرفتِ الٰہی، تزکیۂ نفس اور عدالتِ اجتماعی تک پہنچانے والا نور قرار دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علم نافع مطلوب ہو گا، نہ کہ محض علمِ منافع۔ ایسا علم جو انسان کو زیادہ کمانے کے قابل تو بنا دے لیکن اسے زیادہ خودغرض، متکبر، ظالم، صارف اور طاقت کا غلام بھی بنا دے، وہ اپنی ظاہری کامیابی کے باوجود قرآنی معیار پر کامیاب تعلیم نہیں کہلا سکتا۔

دنیا کو ترک نہیں کرنا، دنیا کو آخرت کا وسیلہ بنانا ہے

یہاں اسلامی نظامِ تعلیم کا ایک نہایت اہم امتیاز سامنے آتا ہے۔ قرآن و اہل بیتؑ کا نظام انسان کو دنیا سے بھاگنے کی تعلیم نہیں دیتا۔ اسلام دنیا کو بے معنی قرار نہیں دیتا؛ بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی اور ذمہ داری کا میدان بناتا ہے۔

اس لیے مطلوبہ نظامِ تعلیم طلبہ کو یہ نہیں سکھائے گا کہ دنیاوی کامیابی بری چیز ہے۔ وہ انہیں سائنس، طب، انجینئرنگ، تجارت، معیشت، زراعت، ٹیکنالوجی، فنون، سیاست، قانون، ابلاغ اور دیگر تمام شعبوں میں اعلیٰ ترین مہارت حاصل کرنے کی ترغیب دے گا۔ فرق صرف یہ ہو گا کہ مہارت مقصد نہیں، امانت ہو گی؛ پیشہ منزل نہیں، خدمت کا میدان ہو گا؛ دولت غایت نہیں، ذمہ داری کا ذریعہ ہو گی؛ اور دنیا آخرت سے الگ زندگی نہیں بلکہ آخرت کی تعمیر کا میدان ہو گی۔

چنانچہ ایک مسلمان طالب علم دنیا میں کامیاب ہونے سے خوفزدہ نہیں ہو گا۔ وہ عالمی سطح پر بہترین سائنس دان بننے کی کوشش کرے گا، بہترین ڈاکٹر بننے کی کوشش کرے گا، بہترین انجینئر بننے کی کوشش کرے گا، بہترین کاروباری ادارہ قائم کرے گا، بہترین ٹیکنالوجی ایجاد کرے گا، بہترین استاد بنے گا، لیکن اس کی کامیابی کا آخری پیمانہ یہ نہیں ہو گا کہ ”میں دوسروں سے کتنا آگے نکل

گیا؟'' بلکہ یہ ہو گا کہ میں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیت کو کتنی امانت، عدل، احسان اور خدمت کے ساتھ استعمال کیا؟

اسلامی تمدن کے مطلوبہ تصور میں اسی لیے تعلیم، معیشت اور ٹیکنالوجی اپنی جگہ بر قرار رہتے ہیں، مگر ان کے مقاصد تبدیل ہو جاتے ہیں؛ علم، صنعت اور روز گار انسانی کمال، خدمت، عدل اور خدا کی بند گی کی سمت میں ڈھل جاتے ہیں۔

کامیابی کی تعریف بدلنا ہو گی

موجودہ تعلیمی نظام کا ایک نہایت طاقتور پہلو یہ ہے کہ وہ بچپن ہی سے کامیابی کی ایک مخصوص تعریف ذہن میں بٹھا دیتا ہے: اچھے نمبر، اچھا کالج، اچھی یونیورسٹی، اچھی ملازمت، زیادہ تنخواہ، بڑا گھر، بہتر گاڑی، بلند سماجی مقام، عالمی شہرت اور زیادہ consumption۔

اس تصور کو تبدیل کیے بغیر نصاب کی اصلاح بھی محدود نتائج دے گی۔

قرآنی نظام میں کامیابی کا مفہوم وسیع ہو گا۔ طالب علم کو یہ سمجھایا جائے گا کہ اچھے نمبر اہم ہیں کیونکہ علم میں مہارت مطلوب ہے؛ اچھی یونیورسٹی اہم ہے کیونکہ انسان کو بہترین علمی ماحول تلاش کرنا چاہیے؛ اچھی ملازمت اہم ہے کیونکہ حلال رزق اور معاشی خود کفالت مطلوب ہیں؛ دولت بھی اہم ہے

کیونکہ انسان اس کے ذریعے اپنی اور دوسروں کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ مگر ان میں سے کوئی چیز کامیابی کی آخری تعریف نہیں۔

کامیابی یہ ہے کہ انسان علم میں بڑھتے ہوئے ایمان میں بھی بڑھے، مہارت میں بڑھتے ہوئے کردار میں بھی بڑھے، آمدنی میں اضافہ کرتے ہوئے سخاوت میں بھی بڑھے، اختیار حاصل کرتے ہوئے تواضع میں بھی بڑھے اور دنیا میں مقام حاصل کرتے ہوئے اللہ کے سامنے اپنی بندگی کو نہ کھوئے۔

یوں تعلیم طالب علم کے اندر ایک نئی ترتیب پیدا کرے گی :پہلے خدا، پھر انسان؛ پہلے حق، پھر مفاد؛ پہلے ذمہ داری، پھر اختیار؛ پہلے خدمت، پھر شہرت؛ پہلے آخرت، پھر دنیا بطور وسیلہ۔

محنت کو عبادت بنانے والا نظام

آپ کے سوال کا شاید سب سے اہم پہلو یہی ہے کہ طالب علم جس شعبے میں جائے وہاں محنت اور کام کو عبادت سمجھے۔

اس کے لیے صرف ”کام عبادت ہے“ کا جملہ کافی نہیں ہو گا۔ پورے نظام کو ایسا بنانا ہو گا کہ طالب علم محنت کے باطنی معنی کو سمجھ سکے۔ وہ یہ جانے کہ اللہ کی رضا کے لیے کیا گیا حلال، مفید اور ذمہ دارانہ کام عبادت بن سکتا ہے۔ اس کے لیے نیت درست ہونا ضروری ہے، کام حلال ہونا ضروری ہے، طریقہ

درست ہونا ضروری ہے اور اس کام سے بندگانِ خدا کے حقوق پامال نہیں ہونے چاہییں۔

ایک مسلمان انجینئر اگر پل بناتا ہے تو وہ صرف structure نہیں بناتا؛ وہ لوگوں کی آسانی، سلامتی اور معاشرتی ضرورت پوری کرنے کی امانت ادا کرتا ہے۔ ڈاکٹر صرف disease treat نہیں کرتا بلکہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ کسان صرف crop پیدا نہیں کرتا بلکہ زمین کی امانت ادا کرتا ہے۔ استاد صرف syllabus complete نہیں کرتا بلکہ انسانی شخصیت تعمیر کرتا ہے۔ تاجر صرف profit نہیں کماتا بلکہ رزق کی گردش، ضرورت کی تکمیل اور معاشرتی خدمت میں حصہ لیتا ہے۔ سائنس دان صرف discovery نہیں کرتا بلکہ کائنات میں خدا کی آیات کو سمجھنے اور انسانیت کے لیے نافع امکانات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس طرح profession عبادت گاہ بن سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں عبدیت، اخلاص، حلال طریقہ، امانت، عدل اور خدمت موجود ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تمدن کے مطلوبہ تصور میں معیشت کو بھی "امانت، خدمت اور عدل" کے زاویے سے پڑھانے کی ضرورت سامنے آتی ہے، نہ کہ صرف پیداوار، کھپت اور منافع کے زاویے سے۔

تعلیم اور استکبار کے درمیان ایک بنیادی دیوار

قرآنی نظامِ تعلیم کا ایک لازمی مقصد یہ بھی ہو گا کہ طالب علم صرف ظالم نہ بنے بلکہ ظلم کے نظام کا مددگار بھی نہ بنے۔

یہ نکتہ بہت اہم ہے، کیونکہ ظلم صرف ظالم کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ ظلم ایک پورے نظام کے ذریعے بھی جاری رہتا ہے اور اس نظام کو سائنس دان، انجینئر، ماہرِ معیشت، وکیل، میڈیا کارکن، استاد، ٹیکنالوجسٹ، منتظم اور عام ملازمین بھی چلا سکتے ہیں۔

لہٰذا طالب علم کو صرف اخلاقی طور پر "اچھا انسان" بنانا کافی نہیں۔ اسے ظلم کی ساخت کو پہچاننے والا انسان بھی بنانا ہو گا۔ اسے یہ سمجھنا ہو گا کہ استکبار کیا ہے، اس نے معاف کیا ہے، استحصال کیا ہے، تہذیبی غلبہ کیا ہے، فکری غلامی کیا ہے، propaganda کیسے کام کرتا ہے، میڈیا perception کیسے بناتا ہے، معاشی نظام کس طرح dependency پیدا کر سکتے ہیں، علمی ادارے کس طرح مخصوص مفادات کی خدمت کر سکتے ہیں، اور زبان، نصاب، تحقیق اور ثقافت کس طرح ذہنی دنیا تشکیل دیتے ہیں۔

تعلیمی مواد میں اس بات کی شعوری تربیت ضروری ہو گی کہ ہر طاقتور بیانیے کو محض اس لیے سچ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسے "global consensus" ،

"modern thought" یا "academic authority" کا نام دیا گیا ہے۔ تحقیقات میں بھی conditioning ، cognitive bias، groupthink، authority اور framing جیسے نفسیاتی طریقوں کے ذریعے تعلیم و میڈیا میں ذہن سازی کے امکانات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ طالب علم ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والا بدگمان انسان بن جائے۔ مطلوبہ انسان ناقدِ بابصیرت ہو گا، بدگمان نہیں؛ دلیل طلب کرے گا، مگر حق سے فرار کے لیے سوال نہیں کرے گا؛ اختلاف کرے گا، مگر علم و اخلاق کے ساتھ؛ authority کا احترام کرے گا، مگر حق کو authority کے تابع نہیں کرے گا۔

آزادیِ فکر، مگر وحی سے آزاد نہیں

جدید تعلیم "critical thinking" کو بہت اہم قرار دیتی ہے، اور اسلامی نظام بھی طالب علم کو اندھی تقلید سے نکالنا چاہے گا۔ لیکن دونوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلامی critical thinking کا مطلب یہ نہیں کہ انسان حق اور باطل دونوں کو یکساں ممکن سمجھ کر ہمیشہ شک میں مبتلا رہے۔

اسلامی تعلیم طالب علم کو سوچنے، سوال کرنے، تحقیق کرنے، دلیل طلب کرنے اور مختلف نظریات کا تقابلی مطالعہ کرنے کی تربیت دے گی، لیکن اس

کے پاس ایک epistemological compass بھی ہو گا: وحی، عقلِ سلیم، فطرت اور اہل بیتؑ کی ہدایت۔

اسی لیے طالب علم کو یہ عادت ڈالی جائے گی کہ وہ کسی بھی نظریے کو صرف اس لیے قبول نہ کرے کہ وہ نصاب میں شامل ہے۔ بچوں کے اندر سوال، تحقیق، دلیل اور اسلامی تناظر میں پرکھنے کی عادت پیدا کرنے کو استعماری اثرات سے تحفظ ایک اہم ذریعہ ہے۔

یہی حقیقی فکری آزادی ہے :ہر خیال سے آزاد ہونا نہیں بلکہ ہر باطل غلامی سے آزاد ہو کر حق کا پابند ہونا۔

صارفی انسان کے بجائے ذمہ دار انسان

جدید سرمایہ دارانہ معاشرہ تعلیم کو ایک ایسے انسان کی تشکیل کے لیے استعمال کر سکتا ہے جو پہلے consumer بنے اور پھر citizen ۔اسے مسلسل یہ بتایا جاتا ہے کہ خوشی زیادہ چیزیں حاصل کرنے میں ہے، ترقی زیادہ consumption میں ہے، شخصیت brand سے بنتی ہے، کامیابی lifestyle سے ظاہر ہوتی ہے اور خواہش کی تکمیل زندگی کا حق ہے۔

قرآنی نظامِ تعلیم اس کے مقابلے میں قناعت، شکر، امانت، اعتدال، ایثار، سخاوت اور ذمہ داری پیدا کرے گا۔

طالب علم یہ سمجھے گا کہ چیزیں انسان کے لیے ہیں، انسان چیزوں کے لیے نہیں۔ ٹیکنالوجی انسان کی خدمت کرے گی، انسان ٹیکنالوجی کا غلام نہیں بنے گا۔ بازار انسان کی ضروریات پوری کرے گا، انسان بازار کی خواہشات کا غلام نہیں ہو گا۔ دولت وسیلہ ہو گی، معبود نہیں۔ ترقی سہولت پیدا کرے گی، مگر انسان کی خواہشات کو لامحدود نہیں کرے گی۔

یوں تعلیم consumer consciousness کے بجائے servant consciousness پیدا کرے گی؛ یعنی ”میں دنیا سے کیا حاصل کر سکتا ہوں؟“ کے ساتھ ساتھ ”میں دنیا کے لیے کیا مفید کر سکتا ہوں؟“ کا سوال پیدا ہو گا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی: نہ رد، نہ تقدیس

قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں جدید تعلیم کا مطلب سائنس اور ٹیکنالوجی سے دوری اختیار کرنا ہر گز نہیں۔ بلکہ مطلوبہ نظام میں سائنس، طب، انجینئرنگ، زراعت، computing، artificial intelligence، biotechnology، ماحولیات اور دیگر علوم میں اعلیٰ ترین مہارت پیدا کرنا ضروری ہو گا۔

فرق صرف مقصد اور حدود کا ہو گا۔

سائنس کو خدا کا متبادل نہیں بنایا جائے گا، اور مذہب کو سائنس کا دشمن بھی نہیں بنایا جائے گا۔ طالب علم کائنات کو تحقیق کے قابل بھی سمجھے گا اور آیاتِ الٰہی کا مظہر بھی۔ وہ technology ایجاد کرے گا مگر یہ سوال بھی پوچھے گا کہ اس technology سے کس کی خدمت ہو گی، کس کو نقصان ہو گا، اس کے اخلاقی اثرات کیا ہوں گے، اور اس کا استعمال کس نظام کے ہاتھ میں جائے گا؟

اسی تصور کے مطابق اسلامی تمدن میں سائنس، طب، انجینئرنگ، زراعت اور ٹیکنالوجی باقی رہتے ہیں، مگر ان کے مقاصد خدا کی زمین کی آبادکاری، انسانی کرامت، عدل اور توازن کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

اس لیے اسلامی طالب علم AI کا ماہر بھی بن سکتا ہے، مگر اسے surveillance، جنگ، استحصال اور manipulation کے لیے استعمال کرنے سے پہلے اخلاقی ذمہ داری کو سمجھے گا۔ وہ biotechnology میں آگے بڑھ سکتا ہے، مگر انسانی کرامت کو بازار کی ضرورت سے کم تر نہیں سمجھے گا۔ وہ معاشیات پڑھ سکتا ہے، مگر انسان کو محض economic unit نہیں سمجھے گا۔

ہر علم کے ساتھ ایک اخلاقی اور توحیدی سوال

یہاں مطلوبہ نظامِ تعلیم کی ایک نہایت اہم خصوصیت سامنے آتی ہے :ہر مضمون کے ساتھ اس کا اخلاقی، انسانی اور الٰہی dimension موجود ہو گا۔ فزکس پڑھتے وقت صرف laws نہیں پڑھے جائیں گے بلکہ کائنات کی نظم، قانون اور انسان کی ذمہ داری بھی زیرِ بحث آئے گی۔ حیاتیات میں زندگی کو صرف mechanism کے طور پر نہیں بلکہ امانت اور نشانی کے طور پر بھی دیکھا جائے گا۔ اکنامکس میں صرف supply and demand نہیں بلکہ عدل، ملکیت، ضرورت، استحصال اور معاشرتی ذمہ داری بھی زیرِ بحث آئے گی۔ نفسیات میں صرف behavior نہیں بلکہ انسان کے نفس، ارادہ، روح، اخلاق اور مقصدِ زندگی پر بھی غور ہو گا۔ تاریخ صرف dates اور events نہیں ہو گی بلکہ حق و باطل، عدل و ظلم، استعمار و مزاحمت، تہذیب و زوال اور انسانی فیصلوں کے نتائج کا مطالعہ بھی ہو گی۔

اس طرح اسلامیات کو باقی علوم سے الگ ایک "religious subject" بنانے کے بجائے اسلامی worldview کو تمام علوم کی روح بنانا ہو گا۔ یہی وہ بنیادی تبدیلی ہے جس کی طرف ان تحریروں میں اشارہ کیا گیا ہے کہ صرف اسلامی مضامین شامل کرنا کافی نہیں؛ پورے educational

epistemology ،philosophy اور مختلف علوم کے بنیادی frameworks کو قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

استاد: معلومات دینے والا نہیں، مربی

ایسے نظام میں استاد کی حیثیت بھی بنیادی طور پر بدل جائے گی۔ موجودہ تصور میں استاد اکثر curriculum deliverer، examiner اور classroom manager بن جاتا ہے۔ مطلوبہ نظام میں استاد مربی ہو گا۔ اس کی اصل طاقت صرف subject knowledge نہیں بلکہ کردار، اخلاص، بصیرت، عدل، محبت اور اپنے عمل کی گواہی ہو گی۔

طالب علم اس سے صرف یہ نہیں سیکھے گا کہ mathematics کیسے حل کی جاتی ہے؛ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ ایک عالم انسان اختلاف کیسے کرتا ہے، اپنی غلطی کیسے تسلیم کرتا ہے، طاقتور کے سامنے حق کیسے کہتا ہے، کمزور کے ساتھ کیسے پیش آتا ہے، مال کو کیسے دیکھتا ہے، وقت کو کیسے استعمال کرتا ہے اور علم کو کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

اسی لیے استاد کی تربیت خود تعلیمی اصلاح کا مرکزی حصہ ہو گی۔ فطری و اسلامی تصور میں استاد محض information deliverer نہیں بلکہ مربی

اور روحانی رہنما ہے، جبکہ کلاس روم علم، ذکر، خدمت اور تربیت کے باہمی ربط کی جگہ بن سکتا ہے۔

طالب علم competitor نہیں، طالبِ حق

موجودہ تعلیمی نظام طالب علم کو اکثر مسلسل competition میں رکھتا ہے: میں دوسرے سے آگے کیسے نکلوں؟ میرے نمبر زیادہ کیسے آئیں؟ مجھے بہتر یونیورسٹی کیسے ملے؟ میری salary زیادہ کیسے ہو؟

اسلامی نظام مسابقت کو مکمل طور پر ختم نہیں کرے گا، کیونکہ excellence مطلوب ہے، لیکن اس کا رخ بدل دے گا۔ طالب علم کا اصل مقابلہ دوسرے انسان کو شکست دینا نہیں بلکہ اپنے کل سے بہتر انسان بننا ہو گا۔ وہ excellence کا طالب ہو گا مگر تکبر کا نہیں؛ کامیابی چاہے گا مگر دوسروں کی ناکامی پر نہیں؛ قیادت چاہے گا مگر domination کے لیے نہیں۔

یوں ''میں سب سے آگے نکلوں'' کی جگہ ''میں اپنی صلاحیت کو اللہ کی رضا اور خلق کی خدمت میں سب سے بہتر کیسے استعمال کروں؟'' کا سوال پیدا ہو گا۔

امتحان بھی انسان کو ناپے، صرف یادداشت کو نہیں

اگر تعلیم کا مقصد انسان سازی ہے تو امتحان صرف memory، speed اور information recall کو نہیں ناپ سکتا۔

ایک طالب علم بہت کچھ یاد کر کے بھی جھوٹا ہو سکتا ہے۔ وہ اعلیٰ grades حاصل کر کے بھی رشوت لے سکتا ہے۔ وہ research میں ممتاز ہو کر بھی plagiarist ہو سکتا ہے۔ وہ business میں کامیاب ہو کر بھی ظالم ہو سکتا ہے۔ وہ مذہبی معلومات رکھ کر بھی متکبر ہو سکتا ہے۔

لہٰذا مطلوبہ نظام میں academic assessment کے ساتھ کردار، teamwork، ذمہ داری، خدمت، تحقیق، creativity، ethical reasoning، problem-solving، self-discipline اور social responsibility کو بھی اہمیت دینا ہو گی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ امتحان ختم کر دیا جائے؛ بلکہ امتحان کو تعلیم کا خادم بنایا جائے، تعلیم کو امتحان کا خادم نہ بنایا جائے۔

گھر، اسکول اور معاشرہ ایک ہی تربیتی ماحول

ایسا نظام صرف اسکول کی چار دیواری میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر اسکول بچے کو سچائی، قناعت، خدمت اور عدل سکھائے اور گھر میں جھوٹ، دکھاوا، مفاد پرستی اور طبقاتی تکبر دیکھے، تو تعلیم کمزور پڑ جائے گی۔ اگر استاد اسلامی اخلاق

پڑھائے لیکن میڈیا مسلسل صارفی، شہوانی اور مادہ پرستانہ زندگی کو کامیابی بنا کر پیش کرے، تو طالب علم متضاد پیغامات میں پھنس جائے گا۔

اسی لیے تعلیم کو ایک جامع تربیتی ecosystem کے طور پر دیکھنا ہو گا جس میں گھر، اسکول، مسجد، دینی مراکز، میڈیا، معاشی ماحول، ریاست، ثقافت اور معاشرتی ادارے ایک دوسرے سے مربوط ہوں۔ معاشرتی اصلاح کو صرف تعلیمی شعبے کی ذمہ داری قرار دینا بھی درست نہیں؛ گھر، میڈیا، سیاست، معیشت اور سماجی ماحول سب انسان سازی میں شریک ہیں۔

گھر پہلی درسگاہ ہو گا، اسکول منظم تربیتی و علمی مرکز، مسجد روحانی و اجتماعی تربیت کا مرکز، اور معاشرہ عملی curriculum ہو گا۔

مکی شعور: نظامِ تعلیم کی روح

اس پورے تصور کو ایک جامع اصطلاح میں بیان کیا جائے تو اسے مکی شعور کہا جاسکتا ہے۔

مکی مرحلہ دراصل ایسے انسان کی تعمیر کا مرحلہ تھا جس کے اندر توحید، حق شناسی، آخرت، صبر، استقامت، عدل، طاغوت شناسی اور قربانی کا شعور پیدا ہوا۔ مدینہ کا اجتماعی و سیاسی نظام اسی انسانی تعمیر کے بعد وجود میں آیا۔ تحقیقاتی تصور میں بھی مکی شعور کو محض چند عقائد کی تعلیم نہیں بلکہ انسان کی فکر،

ترجیحات، محبت، خوف، سیاست، معیشت، معاشرت اور تہذیبی شناخت کی وحی کے تابع تشکیل قرار دیا گیا ہے۔

آج کے نظامِ تعلیم کو بھی اسی اصول کی ضرورت ہے۔

ہم اگر ایسے engineers چاہتے ہیں جو ظلم کے لیے infrastructure نہ بنائیں، ایسے economists چاہتے ہیں جو استحصال کو ترقی کا نام نہ دیں، ایسے journalists چاہتے ہیں جو طاقتور کے پروپیگنڈے کے ترجمان نہ بنیں، ایسے scientists چاہتے ہیں جو علم کو انسانیت کے خلاف استعمال نہ کریں، ایسے businessmen چاہتے ہیں جو دولت کو امانت سمجھیں، ایسے politicians چاہتے ہیں جو اقتدار کو خدمت سمجھیں، اور ایسے teachers چاہتے ہیں جو نسلوں کی روح تعمیر کریں، تو پہلے ہمیں مکی شعور رکھنے والے انسان تیار کرنا ہوں گے۔

ظہورِ امام زمانہؑ کے لیے تعلیم

یہ تصور آخر کار انسان سازی سے بڑھ کر تمدن سازی تک پہنچتا ہے۔

امام مہدیؑ کی عالمی حکومت عدل، قسط اور حق کے قیام کی حکومت ہو گی۔ لہٰذا اس کے لیے ایسے انسان درکار ہیں جو علم رکھتے ہوں مگر علم کے تکبر میں مبتلا نہ ہوں، طاقت رکھتے ہوں مگر ظلم نہ کریں، دولت رکھتے ہوں مگر غلام نہ بنیں،

ٹیکنالوجی رکھتے ہوں مگر انسانیت نہ کھوئیں، اختلاف کر سکیں مگر حق سے نہ ہٹیں، اور دنیا میں فعال ہوں مگر آخرت سے غافل نہ ہوں۔

اسی لیے ظہور کے لیے مطلوب تعلیم میں علم، عمل اور عدل کا اتحاد ضروری ہے۔ علم اگر تزکیہ، معرفت اور عدالتِ اجتماعی کی طرف نہ لے جائے تو وہ اپنی ظاہری ترقی کے باوجود انسان کو ظہور کی منزل کے لیے تیار نہیں کرتا۔

یہاں ''انتظار'' بھی تعلیم کا ایک active principle بن جاتا ہے۔ انتظار کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا نہیں بلکہ اپنے اندر اور اپنے معاشرے میں عدل، علم، تقویٰ، خدمت، مزاحمت اور انسانی کرامت کی بنیادیں مضبوط کرنا ہے۔

پس زمینۂ ظہور کا نظامِ تعلیم دراصل زمینۂ عدل کا نظامِ تعلیم ہو گا۔

مطلوبہ نظام کا آخری ہدف: عبدِ صالح سے انسانِ مصلح تک

آخرکار قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں مطلوبہ جدید تعلیم ایسا انسان پیدا کرنا چاہے گی جو صرف نیک نہ ہو بلکہ مصلح بھی ہو؛ صرف عبادت گزار نہ ہو بلکہ ذمہ دار بھی ہو؛ صرف اپنے گناہ سے بچے نہیں بلکہ ظلم کے نظام کو بھی

پہچانے؛ صرف اپنے مستقبل کی فکر نہ کرے بلکہ معاشرے، امت اور انسانیت کی فکر بھی کرے۔

وہ دنیا سے فرار اختیار نہیں کرے گا بلکہ دنیا کو آباد کرے گا۔ وہ ٹیکنالوجی سے نہیں ڈرے گا بلکہ اسے انسانی خیر کے لیے استعمال کرے گا۔ وہ دولت سے نفرت نہیں کرے گا بلکہ اسے امانت سمجھے گا۔ وہ پیشہ ورانہ excellence سے دستبردار نہیں ہو گا بلکہ اسے عبادت کے معیار تک لے جائے گا۔ وہ عالمی سطح پر مقابلہ کرے گا مگر کسی انسان کو محض اس لیے کمتر نہیں سمجھے گا کہ وہ اس سے کم دولت یا طاقت رکھتا ہے۔ وہ کامیاب ہو گا مگر متکبر نہیں؛ بااثر ہو گا مگر ظالم نہیں؛ طاقتور ہو گا مگر مستکبر نہیں؛ مال دار ہو گا مگر اسیر مال نہیں؛ عالم ہو گا مگر جاہلانہ غرور سے محفوظ ہو گا۔

ایسا انسان دنیا کو مقصد نہیں، میدان سمجھے گا؛ دولت کو معبود نہیں، وسیلہ سمجھے گا؛ پیشے کو شناخت نہیں، امانت سمجھے گا؛ علم کو طاقت نہیں، نور سمجھے گا؛ آزادی کو نفس کی غلامی نہیں بلکہ خدا کے سوا ہر باطل بندھن سے نجات سمجھے گا؛ اور کامیابی کو دوسروں پر غلبہ نہیں بلکہ اپنے رب کی رضا میں اپنی صلاحیت کا بہترین استعمال سمجھے گا۔

تب تعلیم محض ''اچھی ملازمت'' کے لیے بچے تیار نہیں کرے گی، بلکہ ایسے انسان تیار کرے گی جو دنیا کو بہتر بنانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور یہ شعور بھی کہ دنیا کو بہتر بنانا آخرت کو بہتر بنانے سے جدا نہیں ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی نظامِ تعلیم محض ایک ''متبادل نصاب'' نہیں رہتا بلکہ متبادل انسان، متبادل تصورِ کامیابی اور بالآخر متبادل تمدن کی بنیاد بن جاتا ہے۔ علم، عقل، وحی، اخلاق، معیشت، سائنس، ٹیکنالوجی، سیاست اور تہذیب ایک دوسرے سے کٹنے کے بجائے توحید کے ایک مرکز سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ اسلامی تمدن کے مطلوبہ تصور میں بھی یہی مرکزی وحدت سامنے آتی ہے کہ مختلف شعبے اپنی جگہ باقی رہیں مگر ان سب کی سمت خدا کی توحید، انسانی خلافت، کرامت اور اجتماعی عدل کی طرف ہو۔

اور شاید یہی اس پورے سوال کا سب سے جامع جواب ہے:

ایسا نظامِ تعلیم مطلوب ہے جو بچے کو دنیا سے کاٹے نہیں بلکہ دنیا کو صحیح مقصد کے ساتھ استعمال کرنا سکھائے؛ اسے پیشہ ور بنائے مگر پیشے کا غلام نہ بنائے؛ اسے کامیاب بنائے مگر کامیابی کا مغرور نہ بنائے؛ اسے طاقتور بنائے مگر مست تکبر نہ بنائے؛ اسے آزاد بنائے مگر بے لگام نہ بنائے؛ اسے سوال کرنا سکھائے مگر حق سے بھٹکائے نہیں؛ اسے سائنس دے مگر خدا سے محروم نہ کرے؛ اسے

دولت کمانا سکھائے مگر دولت کا بندہ نہ بنائے؛ اسے دنیا آباد کرنا سکھائے مگر آخرت بھلائے نہیں؛ اور سب سے بڑھ کر اسے ہر شعبۂ زندگی میں ایک ہی حقیقت کا شعور دے کہ وہ پہلے اور آخر میں اللہ کا بندہ ہے۔

ایسا طالب علم جب ڈاکٹر بنے گا تو طب عبادت بنے گی، انجینئر بنے گا تو تعمیر عبادت بنے گی، استاد بنے گا تو تعلیم عبادت بنے گی، تاجر بنے گا تو تجارت عبادت بنے گی، سائنس دان بنے گا تو تحقیق عبادت بنے گی، صحافی بنے گا تو حق گوئی عبادت بنے گی، سیاست دان بنے گا تو عدل عبادت بنے گا، اور مزدور بنے گا تو اپنی حلال محنت بھی عبادت بنے گی۔ یوں عبادت مسجد کی چار دیواری سے نکل کر پوری زندگی میں پھیل جائے گی اور یہی تعلیم کو حقیقی معنوں میں ربانی تعلیم بنائے گا۔

یہاں سے اگلا سوال یہ بنتا ہے کہ ایسے نظامِ تعلیم کا عملی ڈھانچہ کیا ہو گا؟ یعنی اس کے مقاصد، عمر کے مراحل، نصاب، مضامین، تدریسی طریقۂ کار، استاد کی تربیت، assessment، discipline، school culture، والدین کا کردار، ٹیکنالوجی، career guidance اور یونیورسٹی تک پورا نظام عملاً کیسے تشکیل دیا جائے کہ یہ صرف ایک خوبصورت نظریہ نہ رہے بلکہ قابلِ عمل قرآنی و علوی تعلیمی ماڈل بن سکے۔

آیئے اسی تصور کو نظریے سے عملی نظام کی طرف لے چلتے ہیں۔ گزشتہ حصے میں ہم نے مقصد، انسان اور علم کی بنیاد واضح کی تھی؛ اب سوال یہ ہے کہ ایسا نظامِ تعلیم عملاً کیسے بنایا جائے؟

قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں مطلوبہ جدید نظامِ تعلیم کا عملی خاکہ

ایک ایسا نظامِ تعلیم جو انسان کو عبداللہ بنائے، دنیا میں باصلاحیت اور کامیاب بنائے، اس کی محنت کو عبادت میں تبدیل کرے، اسے ظلم و استکبار کا حصہ بننے سے بچائے اور دنیا کو آخرت کی تیاری کا میدان بنائے، محض ایک اچھا نصاب بنا دینے سے وجود میں نہیں آسکتا۔ اس کے لیے تعلیم کے پورے نظام کو ایک مربوط انسانی تشکیل کے منصوبے کے طور پر دیکھنا ہو گا۔ نصاب اس کا صرف ایک حصہ ہے؛ اس کے ساتھ تصورِ انسان، تعلیمی مقاصد، ماحول، استاد، تدریسی طریقہ، assessment، خاندان، معاشرہ، میڈیا، معیشت اور ریاست سب اس نظام کا حصہ ہوں گے۔

اس نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہو گی کہ اس میں تعلیم اور تربیت الگ الگ شعبے نہیں ہوں گے۔ موجودہ نظام میں عموماً تعلیم کا تعلق ذہن سے اور

اخلاقیات کا تعلق کسی اضافی مضمون سے جوڑ دیا جاتا ہے، جبکہ مطلوبہ نظام میں علم، ایمان، اخلاق، عمل، مہارت اور اجتماعی ذمہ داری ایک ہی شخصیت کے مختلف پہلو ہوں گے۔ یہی اصول اس تصور سے بھی ہم آہنگ ہے کہ علم کو عمل، تزکیہ اور عدل سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

تعلیم کا مرکزی مقصد: انسان کی جامع تعمیر

اس نظام کا بنیادی مقصد صرف یہ نہیں ہو گا کہ طالب علم کو کسی پیشے کے لیے تیار کیا جائے بلکہ یہ ہو گا کہ اس کے اندر ایک متوازن، باکردار، صاحب بصیرت، خوددار، محنتی، باصلاحیت اور ذمہ دار انسان پیدا ہو۔ وہ اللہ سے تعلق رکھنے والا، اپنے نفس کو سمجھنے والا، اپنے جسم و ذہن کی حفاظت کرنے والا، اپنے خاندان اور معاشرے کے حقوق ادا کرنے والا، علم و ہنر میں ممتاز اور ظلم کے مقابلے میں حساس انسان ہو۔

اس کے لیے تعلیم کے ہر مرحلے میں چند بنیادی سوالات پوشیدہ رہیں گے: میں کون ہوں؟ مجھے کس نے پیدا کیا؟ مجھے کیوں پیدا کیا گیا؟ علم کیوں حاصل کرنا ہے؟ میری صلاحیت کس کے لیے ہے؟ دنیا سے میرا تعلق کیا ہے؟ دولت کا مقصد کیا ہے؟ طاقت کی ذمہ داری کیا ہے؟ دوسرے انسانوں کے حقوق کیا ہیں؟ ظلم کو پہچاننے کا معیار کیا ہے؟ اور میری زندگی کا آخری انجام کیا ہے؟

یہ سوالات کسی ایک ''اسلامیات'' کی کتاب میں بند نہیں ہوں گے بلکہ پوری تعلیم کے پس منظر میں موجود رہیں گے۔

نظامِ تعلیم کا بنیادی نظریاتی مرکز: توحید

اس نظام کا سب سے اوپر والا تصور توحید ہو گا۔ توحید کا مطلب صرف یہ نہیں کہ طالب علم اللہ کے ایک ہونے پر ایمان رکھتا ہو، بلکہ اس کی پوری زندگی میں یہ شعور پیدا ہو کہ حقیقت کا آخری مرکز اللہ ہے، اختیار اور ملکیت کی آخری حقیقت اللہ کی ہے، زندگی کی آخری غایت اللہ کی رضا ہے اور انسان کی عزت بھی اسی نسبت سے ہے۔

اس سے تعلیم کا پورا مزاج تبدیل ہو جائے گا۔ طالب علم کسی انسان، قوم، ریاست، بازار، یونیورسٹی، کمپنی، نظریے یا عالمی طاقت کو مطلق معیار نہیں سمجھے گا۔ وہ ہر چیز کو حق کے میزان پر پرکھنے کی کوشش کرے گا۔

یوں توحید صرف ایک عقیدہ نہیں رہے گی بلکہ فکری آزادی، اخلاقی خود مختاری اور تہذیبی خودداری کی بنیاد بن جائے گی۔

دوسرا مرکز: عبد اللہ

توحید کے بعد اس نظام کا مرکزی انسانی تصور ''عبداللہ'' ہو گا۔ طالب علم کو یہ احساس پیدا کرنا ہو گا کہ میری اصل شناخت میری قومیت، پیشہ، طبقہ، دولت، شہرت یا تعلیمی qualification سے پہلے اللہ کا بندہ ہونا ہے۔

اس تصور کے نتیجے میں پیشہ ورانہ تعلیم بھی ایک نئی معنویت اختیار کرے گی۔ طالب علم ڈاکٹر بننے کی تیاری کرے گا مگر ''ڈاکٹر بننا'' اس کی آخری شناخت نہیں ہو گا؛ وہ اللہ کا بندہ ڈاکٹر ہو گا۔ اسی طرح انجینئر، سائنس دان، تاجر، استاد، وکیل، صحافی، سیاست دان یا فن کار بھی اپنی پیشہ ورانہ صلاحیت کو عبدیت کے دائرے میں استعمال کرے گا۔

یہی وہ نقطہ ہے جہاں تعلیم اور عبادت ایک دوسرے سے جڑتے ہیں۔

تیسرا مرکز: آخرت

مطلوبہ نظام میں آخرت کا تصور طالب علم کے اندر خوف پیدا کرنے کے لیے نہیں بلکہ زندگی کو مقصد دینے کے لیے استعمال ہو گا۔ اسے یہ سمجھایا جائے گا کہ دنیا بے مقصد قیام گاہ نہیں بلکہ ذمہ داری، امتحان، تعمیر اور عمل کا میدان ہے۔

اس سے دنیا اور آخرت کے درمیان مصنوعی تضاد ختم ہو گا۔ طالب علم دنیا میں بہترین کارکردگی دکھانے کی کوشش کرے گا، مگر دنیا کو آخری منزل نہیں سمجھے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ محنت کرے گا مگر صرف دولت کے لیے نہیں، دولت کمائے گا مگر دولت کا غلام نہیں ہو گا، شہرت حاصل کرے گا تو اسے امانت سمجھے گا، اختیار حاصل کرے گا تو جواب دہی کو یاد رکھے گا اور علم حاصل کرے گا تو اسے خدا کی عطا اور ذمہ داری سمجھے گا۔

چوتھا مرکز: کرامتِ انسان

قرآنی نظام میں انسان کو صرف "human resource" نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسے کرامت، اختیار اور ذمہ داری رکھنے والی مخلوق کے طور پر دیکھنا ہو گا۔

اس لیے طالب علم کو یہ سکھایا جائے گا کہ ہر انسان قابل احترام ہے، کمزور کا حق ہے، غریب کی عزت ہے، یتیم کی ذمہ داری ہے، مزدور کی حرمت ہے اور مخالف انسان بھی انسانی کرامت سے محروم نہیں ہو جاتا۔

یہ تربیت مستقبل میں ایسے professionals پیدا کرے گی جو اپنے شعبے میں انسان کو محض ایک number ، customer، patient، voter، consumer یا employee نہیں سمجھیں گے۔

پانچواں مرکز: عدل

اگر طالب علم کو صرف "اچھا انسان" بنایا جائے لیکن اسے معاشرتی ظلم کی ساخت سمجھائی نہ جائے تو اس کی اخلاقی تربیت نامکمل رہے گی۔

اس لیے عدل کو تعلیمی نظام کے بنیادی اصولوں میں شامل کرنا ہو گا۔ طالب علم کو فردی عدل کے ساتھ اجتماعی عدل، معاشی عدل، تعلیمی عدل، قانونی عدل، سیاسی عدل اور تہذیبی عدل کے سوالات سے بھی روشناس کرانا ہو گا۔

اسے یہ سمجھنا ہو گا کہ ظلم صرف کسی فرد کو مارنے یا اس کا مال چھیننے کا نام نہیں؛ کسی قوم کو فکری طور پر کمتر دکھانا، وسائل پر ناجائز قبضہ، استحصال، علمی اجارہ داری، جھوٹا پروپیگنڈا اور طاقت کے ذریعے حق کو دبانا بھی ظلم کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

تحقیقاتی مطالعات میں بھی استعمار کو صرف سیاسی قبضے کے بجائے فکری، تہذیبی، تعلیمی، معاشی اور ابلاغی غلبے کے وسیع نظام کے طور پر دیکھنے کی ضرورت سامنے آتی ہے۔

نصاب کی نئی ساخت

ایسے نظام کا نصاب محض ''اسلامی مضامین + جدید مضامین'' نہیں ہو گا۔ یہ دراصل موجودہ مضامین کو ایک نئے worldview میں مربوط کرے گا۔ قرآن، حدیث اور سیرت کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہو گی، مگر ان کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے قائم کیا جائے گا۔ سائنس پڑھتے ہوئے کائنات، انسان اور خدا کے تعلق پر غور ہو گا۔ معاشیات پڑھتے ہوئے ملکیت، رزق، عدل، استحصال، ضرورت اور اجتماعی ذمہ داری زیرِ بحث آئے گی۔ تاریخ پڑھتے ہوئے صرف واقعات نہیں بلکہ طاقت، ظلم، مزاحمت، تہذیب، اخلاق اور انسانی فیصلوں کا مطالعہ ہو گا۔ نفسیات میں نفس، ارادہ، جذبات، عادت، شخصیت اور تزکیہ کے اسلامی تصورات کو بھی جگہ ملے گی۔ میڈیا کی تعلیم میں خبر، framing، propaganda، persuasion، consumer culture اور ذہنی conditioning کا تجزیہ کیا جائے گا۔ اس طرح ہر علم اپنے ''اسلامی ضمیمے'' کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے بنیادی سوالات کے اندر اسلامی بصیرت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

علم کے دو پہلو: تخصص اور بصیرت

طلبہ کو جدید علوم میں واقعی مہارت حاصل کرانا اس نظام کی لازمی ضرورت ہو گی۔ اسلامی تعلیم کا مطلب یہ نہیں کہ طالب علم ہر چیز کا عمومی سا علم رکھے اور کسی شعبے میں excellence حاصل نہ کرے۔

اس کے برعکس، نظام دو سطحوں پر کام کرے گا۔ ایک طرف ہر طالب علم کو توحیدی worldview، قرآن فہمی، اخلاق، تاریخ، معاشرتی شعور، فکری تنقید، انسانی نفس اور بنیادی دینی معرفت دی جائے گی؛ دوسری طرف عمر اور صلاحیت کے مطابق اسے مختلف علوم میں تخصص کی طرف لے جایا جائے گا۔ یوں ایک طالب علم simultaneously وسیع النظر بھی ہو گا اور اپنے شعبے میں گہرا ماہر بھی۔

یہاں ''اسلامی انسان'' اور'' professional excellence ''ایک دوسرے کے مخالف نہیں رہیں گے۔

عمر کے مراحل کے مطابق تربیت

تعلیم کو ایک ہی سطح پر نہیں رکھا جاسکتا۔ ابتدائی عمر میں بچے کو پیچیدہ نظریاتی بحثوں کے بجائے محبت، خدا شناسی، سچائی، امانت، صفائی، نظم، شکر، ہمدردی، محنت اور ذمہ داری کے ذریعے تربیت دی جائے گی۔

بچپن میں یہ سوال زیادہ اہم ہو گا کہ ''میں اچھا انسان کیسے بنوں؟''

درمیانی عمر میں سوال ہو گا کہ ''میں حقیقت کو کیسے پہچانوں؟''
نوجوانی میں سوال ہو گا کہ ''میں اپنی زندگی کا مقصد کیسے متعین کروں؟''
اعلیٰ تعلیم میں سوال ہو گا کہ ''میں اپنی علمی اور پیشہ ورانہ صلاحیت کو کس مقصد کے لیے استعمال کروں؟''
اور عملی زندگی میں سوال ہو گا کہ ''میں اپنے علم، اختیار اور رزق کے ذریعے عدل اور خیر میں کیا کردار ادا کر رہا ہوں؟''
یوں تربیت عمر کے ساتھ گہری ہوتی جائے گی۔

ابتدائی تعلیم: محبت، فطرت اور عادت سازی

ابتدائی تعلیم میں بچے کو خوف زدہ کر کے دیندار بنانے کے بجائے خدا کی محبت، نعمتوں کا شعور، شکر، فطرت سے تعلق اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک پیدا کیا جائے گا۔
بچہ کھیل کے ذریعے سیکھے گا کہ اپنی باری کا انتظار کیا ہے، جھوٹ نہیں بولنا، چیز واپس کرنی ہے، کمزور ساتھی کی مدد کرنی ہے، صفائی رکھنی ہے، وقت کی پابندی کرنی ہے اور کام مکمل کرنا ہے۔
یہ چھوٹی عادتیں بعد میں بڑے اخلاقی اصولوں کی بنیاد بنیں گی۔

اسی لیے تربیت میں habit formation کو اہمیت دینا ضروری ہے؛ تحقیقاتی مطالعات میں بھی عادت سازی کو انسانی رویوں کی تشکیل کا اہم میدان قرار دیا گیا ہے۔

ثانوی تعلیم: شعور، شناخت اور فکری آزادی

ثانوی مرحلے میں طالب علم کے اندر سوالات بڑھتے ہیں۔ وہ authority کو challenge کرتا ہے، اپنی identity تلاش کرتا ہے اور مختلف نظریات سے متاثر ہوتا ہے۔

یہی وہ مرحلہ ہے جہاں نظام اسے محض "خاموش فرمانبردار" بنانے کے بجائے بابصیرت انسان بنائے گا۔

اسے capitalism ، socialism، liberalism، secularism، nationalism، colonialism، consumerism، materialism، individualism، postmodernism اور دیگر جدید تصورات سے تعارف کرایا جاسکتا ہے، مگر کسی نظریے کو محض اس لیے قبول یا رد نہیں کیا جائے گا کہ وہ "مغربی" یا "مشرقی" ہے۔ ہر تصور کو علمی دیانت کے ساتھ اس کے مقدمات، نتائج اور انسانی اثرات کے ذریعے پرکھا جائے گا۔

یہی علمی خود مختاری طالب علم کو ذہنی غلامی سے بچائے گی۔

میڈیا اور ڈیجیٹل شعور

آج تعلیم صرف کتاب سے نہیں ہوتی۔ طالب علم کی شخصیت YouTube، TikTok، Instagram، Netflix، games، advertisements، influencers اور social media کے ذریعے بھی بنتی ہے۔

اس لیے media literacy کو optional skill نہیں بلکہ بنیادی تعلیمی ضرورت سمجھنا ہو گا۔

طالب علم کو یہ سکھایا جائے گا کہ تصویر صرف تصویر نہیں ہوتی؛ اس کے پیچھے message ہو سکتا ہے۔ advertisement صرف product نہیں بیچتی؛ وہ lifestyle بھی بیچ سکتی ہے۔ influencer صرف personality نہیں ہو سکتا؛ وہ consumption کا model بھی بن سکتا ہے۔ خبر صرف information نہیں؛ اس کی framing perception بدل سکتی ہے۔

استعماری اثرات کے تجزیے میں میڈیا اور تعلیم دونوں کو ذہنی و تہذیبی تشکیل کے اہم ذرائع کے طور پر دیکھا گیا ہے، اور framing، authority، social learning اور habit formation جیسے mechanisms کے ذریعے ذہن سازی کے امکانات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطلوبہ طالب علم اس سب کا شکار نہیں بلکہ اس کا باشعور قاری ہو گا۔

معاشی تعلیم: کماؤ، مگر غلام نہ بنو

نظامِ تعلیم میں financial literacy ضرور ہو گی، مگر اس کا مقصد صرف یہ نہیں ہو گا کہ طالب علم زیادہ پیسہ کمانا سیکھے۔

وہ budgeting، saving، investment، entrepreneurship اور business management بھی سیکھے گا، مگر ساتھ حلال و حرام، حق العباد، زکوٰۃ، امانت، دیانت، سود، احتکار، اسراف، صدقہ، انفاق اور معاشی عدل کے اصول بھی سمجھے گا۔

اسے یہ بتایا جائے گا کہ مضبوط معیشت ضروری ہے، لیکن انسان معیشت کے لیے نہیں ہے۔

ایک مسلمان entrepreneur عالمی سطح کی کمپنی بنا سکتا ہے، لیکن اس کمپنی کا مقصد صرف shareholder wealth maximization نہیں ہو گا؛ employees، customers، society، environment اور انسانی کرامت بھی اس کی ذمہ داری ہوں گے۔

پیشہ ورانہ تعلیم : Career نہیں، Mission

Career guidance کا پورا تصور بھی تبدیل ہو گا۔

طالب علم سے صرف یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ ”کس profession میں salary زیادہ ہے؟“ بلکہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ ”تمہاری صلاحیت کیا ہے؟ تمہاری طبیعت کس کام کے لیے موزوں ہے؟ معاشرے کی کون سی ضرورت تم پوری کر سکتے ہو؟ تمہارا کام کس طرح حلال رزق، خدمت اور خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے؟“

اس سے career ایک mission بن سکتا ہے۔

کوئی طالب علم ڈاکٹر بنے کیونکہ اس میں انسانی خدمت کی صلاحیت ہے؛ کوئی engineer اس لیے بنے کہ اسے تعمیر اور مسئلہ حل کرنے کا شوق ہے؛ کوئی teacher اس لیے بنے کہ وہ انسان سازی میں اپنا کردار دیکھتا ہے؛ کوئی entrepreneur اس لیے بنے کہ وہ روزگار پیدا کرنا اور معاشی خود کفالت بڑھانا چاہتا ہے۔

یوں ”میں کیا بنوں؟“ کا سوال بدل کر ”میں اللہ کی دی ہوئی صلاحیت سے کیا خدمت انجام دوں؟“ ہو جائے گا۔

محنت اور excellence کی تربیت

عبد اللہ بننے کا مطلب کمزور، غیر منظم یا غیر پیشہ ور بننا نہیں۔ بلکہ اسلامی نظام میں احسان اور اتقان کے ذریعے excellence پیدا کرنا ضروری ہو گا۔

طالب علم کو کام ادھورا چھوڑنے، وقت ضائع کرنے، نقل کرنے، cheating کرنے اور صرف passing marks کے لیے پڑھنے کی عادت سے نکالا جائے گا۔

اسے یہ شعور دیا جائے گا کہ اللہ کے لیے کام کرنے کا مطلب کام کو ناقص کرنا نہیں بلکہ زیادہ ذمہ داری سے کرنا ہے۔

اس لیے "عبادت" اور" professional excellence "کو دو الگ خانوں میں نہیں رکھا جائے گا۔

تحقیق: سوال سے خدمت تک

Research کو صرف degree یا publication کے لیے نہیں رکھا جائے گا۔

طالب علم کو تحقیق کے ذریعے حقیقی مسائل حل کرنے کی تربیت دی جائے گی۔ پانی، خوراک، صحت، تعلیم، توانائی، ماحولیات، غربت، technology، accessibility، شہری سہولیات اور دیگر مسائل اس کے research questions بن سکتے ہیں۔

اس سے علم کتاب سے نکل کر معاشرے میں داخل ہو گا۔
یہی اس تصور سے ہم آہنگ ہے کہ ایسا علم مطلوب ہے جو انسانی درد، عدل کی تڑپ، قربِ الٰہی اور عملی خدمت سے جڑا ہو۔

امتحان سے زیادہ مسئلہ حل کرنا

مطلوبہ نظام میں طالب علم کو صرف یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ ''تمہیں کیا یاد ہے؟'' بلکہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ ''تم اس علم سے کیا کر سکتے ہو؟''
اگر economics پڑھا ہے تو کسی حقیقی معاشی مسئلے کا تجزیہ کرے۔ اگر biology پڑھی ہے تو صحت یا ماحول کا مسئلہ سمجھے۔ اگر computer science پڑھی ہے تو کوئی مفید solution بنائے۔ اگر تاریخ پڑھی ہے تو کسی تاریخی واقعے کے اثرات کا critical analysis کرے۔
یوں education knowledge accumulation سے knowledge application کی طرف جائے گی۔

مدرسہ اور جدید تعلیم کی مصنوعی تقسیم

مطلوبہ نظام میں دینی اور دنیاوی علوم کی موجودہ مصنوعی تقسیم بھی ختم کرنے کی ضرورت ہو گی۔

ایک طرف صرف مذہبی علوم جاننے والا مگر جدید دنیا سے ناواقف شخص مطلوب نہیں، اور دوسری طرف جدید علوم میں ماہر مگر خدا، اخلاق، تاریخ اور انسان کے مقصد سے ناواقف شخص بھی مکمل تعلیم یافتہ نہیں۔

ضرورت ایسے انسان کی ہے جو قرآن و اہل بیتؑ سے فکری و اخلاقی رہنمائی لے اور ساتھ ہی اپنے زمانے کے علوم، زبانوں، ٹیکنالوجی، معیشت اور تہذیبی چیلنجز کو سمجھتا ہو۔

اس طرح "عالم" اور "professional" دو الگ انسان نہیں بلکہ ایک ہی جامع شخصیت کے دو پہلو بن سکتے ہیں۔

ادارے کا ماحول خود نصاب ہو گا

اگر اسکول کا نصاب عدل پڑھاتا ہے مگر principal ناانصافی کرتا ہے، استاد دیانت پڑھاتا ہے مگر cheating برداشت کرتا ہے، management خدمت پڑھاتی ہے مگر کمزور ملازمین کا استحصال کرتی ہے، تو طالب علم کتاب سے نہیں بلکہ ادارے کے عمل سے سیکھے گا۔

اس لیے اسلامی school culture انتہائی اہم ہو گا۔

اسکول میں احترام، صفائی، وقت کی پابندی، عدل، مشاورت، ذمہ داری، شفافیت، خدمت، حسنِ گفتگو اور اختلاف کے آداب عملی طور پر نظر آنے چاہییں۔

طالب علم صرف "عدل" کی تعریف نہ پڑھے بلکہ اسے اسکول میں عدل کا تجربہ بھی ہو۔

Discipline :خوف نہیں، خود نظم

اسلامی تربیت کا discipline مار، humiliation یا blind obedience پر قائم نہیں ہو گا۔

مطلوبہ discipline کا مقصد self-discipline پیدا کرنا ہو گا۔

طالب علم کو یہ سکھایا جائے گا کہ میں اس لیے وقت پر آتا ہوں کہ وقت امانت ہے؛ میں cheating نہیں کرتا کیونکہ ضمیر اور خدا کے سامنے جواب دہ ہوں؛ میں اپنا کام مکمل کرتا ہوں کیونکہ ذمہ داری عبادت کا حصہ ہے؛ میں دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتا ہوں کیونکہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔

یوں external discipline آہستہ آہستہ internal discipline میں تبدیل ہو گا۔

استاد کی تربیت سب سے اہم اصلاح

اگر curriculum بدل جائے مگر استاد وہی پرانے تصور کے ساتھ کلاس میں آئے تو مطلوبہ نظام پیدا نہیں ہو گا۔

اس لیے teacher education میں صرف pedagogy اور classroom management کافی نہیں ہوں گے۔ استاد کو قرآن فہمی، اسلامی تصورِ انسان، اخلاق، adolescent psychology، critical thinking، media literacy، contemporary ideologies اور اپنی شخصیت کی self-development سے بھی گزرنا ہو گا۔

استاد خود بھی lifelong learner ہو گا۔

اسے معلوم ہونا چاہیے کہ طالب علم صرف اس کے الفاظ نہیں سنتا بلکہ اس کا کردار پڑھتا ہے۔

والدین کو نظام کا شریک بنانا

والدین کو صرف parent-teacher meeting تک محدود رکھنا مطلوبہ نظام کے لیے کافی نہیں۔

گھر میں بچے کو جو message ملتا ہے وہ اسکول کے message کو reinforce یا destroy کر سکتا ہے۔

اگر والدین مسلسل کہتے رہیں کہ "بس ڈاکٹر یا انجینئر بنو، ورنہ زندگی برباد ہے" تو اسکول کی career philosophy کمزور ہو جائے گی۔ اگر گھر میں ملازم کی توہین ہوتی ہو تو classroom کی dignity کی تعلیم کمزور ہو گی۔ اگر والدین دکھاوے، brand اور status کو کامیابی سمجھتے ہوں تو قناعت اور خدمت کی تعلیم مشکل ہو جائے گی۔

اس لیے والدین کی تربیت بھی educational system کا حصہ ہونی چاہیے۔

متبادل تعلیمی مراکز کی ضرورت

اگر موجودہ institutional structure مکمل طور پر فوری تبدیلی کے قابل نہ ہو تو اصلاح کا آغاز متبادل educational ecosystems سے کیا جا سکتا ہے۔ خاندان کو بنیادی مرکز بنانے، خود مختار علمی حلقوں، تربیتی مراکز اور متبادل تعلیمی اداروں کے قیام کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے۔

یہ مراکز صرف "اسلامی اسکول" نہیں ہوں گے بلکہ ایسے laboratories ہوں گے جہاں ایک نئے تعلیمی تصور کو عملی طور پر آزمایا جائے۔

ان میں modern academics اور Islamic worldview کو الگ الگ compartments میں نہیں بلکہ integrated curriculum میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

عالمی معیار کی تعلیم، مگر تہذیبی غلامی نہیں

ایک اہم خطرہ یہ ہے کہ استعمار کی مخالفت کرتے ہوئے ہم معیارِ تعلیم، تحقیق، technology اور global exposure سے بھی دور ہو جائیں۔

یہ مطلوبہ اسلامی نظام نہیں ہو گا۔

طالب علم کو عالمی سطح کے معیار پر mathematics ، science، languages، technology، research اور professional skills حاصل کرنی ہوں گی۔ اسے دنیا کے بہترین علمی کام سے واقف ہونا ہو گا۔ اسے مختلف تہذیبوں کو سمجھنا ہو گا۔ اسے عالمی زبانوں میں تحقیق پڑھنے اور دنیا کے ساتھ علمی مکالمہ کرنے کے قابل ہونا ہو گا۔

لیکن global ہونا اور intellectually colonized ہونا ایک چیز نہیں۔

طالب علم دنیا سے علم لے سکتا ہے مگر اپنی شناخت کھوئے بغیر؛ دوسری تہذیب کو سمجھ سکتا ہے مگر اپنی تہذیب کو کمتر سمجھے بغیر؛ عالمی اداروں میں کام کر سکتا ہے مگر ان کے مفادات کا اندھا آلہ بنے بغیر۔

اس نظام کی کامیابی کا اصل پیمانہ

اس پورے نظام کو صرف examination results سے evaluate کرنا بنیادی غلطی ہو گی۔

ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ ہمارے graduates میں ایمان، اخلاق، self-discipline، critical thinking، professional competence، creativity، social responsibility، physical and mental resilience، economic responsibility اور justice consciousness کتنی پیدا ہوئی۔

کیا وہ اپنے شعبے میں واقعی ممتاز ہیں؟

کیا وہ حلال رزق کے لیے محنت کرتے ہیں؟

کیا وہ cheating سے بچتے ہیں؟

کیا وہ کمزور کے ساتھ انصاف کرتے ہیں؟

کیا وہ ظلم کو پہچان سکتے ہیں؟

کیاوہ propaganda سے متاثر ہونے سے پہلے سوال کر سکتے ہیں؟
کیاوہ اپنی کامیابی کو خدمت میں تبدیل کرتے ہیں؟
کیاوہ علم حاصل کرنے کے بعد زیادہ متواضع ہوئے ہیں؟
کیاان کے اندر خدا کے سامنے جواب دہی کا احساس بڑھا ہے؟
اور سب سے بڑھ کر: کیا تعلیم نے ان کے اندر عبد اللہ کو مضبوط کیا ہے؟
اگر جواب ہاں ہے تو نظام کامیاب ہے، چاہے اس کے graduates صرف بڑے عہدوں پر نہ بھی پہنچیں۔ اور اگر جواب نہیں ہے تو صرف اعلیٰ grades، international rankings اور بڑی salaries اس نظام کو حقیقی معنوں میں کامیاب نہیں بنا سکتیں۔

ایک نئے تعلیمی انسان کی تشکیل

آخر کار اس پورے عملی خاکے کا مقصد ایک ایسے انسان کی تشکیل ہے جس میں بیک وقت چند بظاہر مختلف صفات جمع ہوں: وہ روحانی بھی ہو اور سائنسی بھی، متقی بھی ہو اور professional بھی، عبادت گزار بھی ہو اور اجتماعی طور پر فعال بھی، اپنی تہذیب سے وابستہ بھی ہو اور دنیا سے مکالمہ کرنے کے قابل بھی، جدید technology کا ماہر بھی ہو اور اس کے اخلاقی مضمرات

سے باخبر بھی، معاشی طور پر مضبوط بھی ہو اور دولت کا غلام بھی نہ ہو، اپنے حقوق کا شعور بھی رکھتا ہو اور دوسروں کے حقوق کا محافظ بھی ہو۔

ایسا انسان دنیا سے کٹ کر نہیں بلکہ دنیا کے اندر رہ کر اسلام کی معنویت ثابت کرے گا۔

وہ اپنے دفتر، laboratory، hospital، classroom، court، market، factory، farm، newsroom اور parliament کو الگ الگ دنیائیں نہیں سمجھے گا۔ اس کے لیے ہر جگہ اللہ کی امانت اور ذمہ داری کا میدان ہو گی۔

تب ''اسلامی تعلیم'' کا مطلب صرف یہ نہیں رہے گا کہ طالب علم قرآن پڑھتا ہے، بلکہ یہ ہو گا کہ قرآن طالب علم کی زندگی پڑھتا ہے؛ اس کی سوچ میں، اس کے فیصلوں میں، اس کے پیشے میں، اس کے اخلاق میں، اس کے تعلقات میں، اس کی معاشی ترجیحات میں اور اس کے اجتماعی کردار میں قرآن کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔

اور یہی وہ مقام ہے جہاں ایک نیا تعلیمی نظام محض ''نصاب کی اصلاح'' سے آگے بڑھ کر انسان سازی، معاشرہ سازی اور بالآخر تمدن سازی کا منصوبہ بن جاتا ہے۔

اب ہم اس تصور کو عمر بہ عمر تعلیمی ماڈل میں تبدیل کرتے ہیں۔ اس پورے ماڈل کی بنیاد یہ ہے کہ تعلیم کا سفر معلومات سے معرفت، معرفت سے شخصیت، شخصیت سے ذمہ داری، اور ذمہ داری سے تمدنی کردار تک پہنچے۔ یعنی بچہ پہلے خدا، خود اور دنیا کے صحیح تعلق کو محسوس کرے، پھر حق و باطل کو پہچاننے کے قابل ہو، پھر علم و ہنر میں مہارت حاصل کرے، پھر اپنی مہارت کو عدل و خدمت کے لیے استعمال کرے، اور آخرکار ایسا بالغ انسان بنے جو اپنے زمانے میں حق کے قیام کا فعال کردار ادا کر سکے۔ یہ ترتیب اس بنیادی تصور سے ہم آہنگ ہے کہ مکی مرحلہ دراصل انسان، شعور اور ترجیحات کی ایسی تشکیل تھا جو بعد کے اجتماعی و تمدنی نظام کی بنیاد بنی۔

قرآنی و اہل بیتی تعلیمی ماڈل: بچپن سے یونیورسٹی تک

پہلا مرحلہ: عمرِ طفولیت — ”میں اللہ کا بندہ ہوں“

تعلیم کا پہلا مرحلہ تقریباً تین سے چھ سال کی عمر تک کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس عمر میں بچے کے سامنے پیچیدہ فلسفیانہ یا کلامی مباحث رکھنے کے بجائے اس

کی فطرت، محبت، حیرت، مشاہدے اور عادت سازی کے ذریعے خدا سے تعلق پیدا کرنا بنیادی مقصد ہو گا۔

اس عمر کا بچہ سب سے پہلے یہ محسوس کرے کہ دنیا محفوظ، بامعنی اور نعمتوں سے بھری ہوئی جگہ ہے؛ اس کے پیچھے ایک رحیم و حکیم رب ہے؛ وہ خود اللہ کی مخلوق ہے؛ اس کے والدین، بہن بھائی، جانور، درخت، پانی، آسمان اور زمین سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اس کے اندر ''اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے''، ''اللہ مجھے دیکھتا ہے'' اور ''اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے'' جیسے بنیادی احساسات پیدا کیے جائیں گے۔

یہاں دین کو محض احکام کی فہرست نہیں بنایا جائے گا۔ نماز کو اللہ سے ملاقات، قرآن کو اللہ کا کلام، سجدے کو محبت و بندگی، صفائی کو پاکیزگی، کھانا بانٹنے کو شکر اور دوسرے بچے کی مدد کو نیکی کے طور پر تجربہ کروایا جائے گا۔

اس مرحلے میں ''عبداللہ'' ابھی ایک نظریاتی تصور نہیں بلکہ ایک محبت بھرا احساس ہو گا۔

بچے کی ابتدائی تعلیم میں زبان، کہانی، کھیل، مشاہدہ، فن، موسیقی کے جائز و مناسب پہلو، جسمانی سرگرمی، فطرت شناسی، بنیادی عددی و لسانی مہارتیں اور سماجی آداب شامل ہوں گے، لیکن ان سب کے اندر ایک پوشیدہ پیغام ہو گا کہ

علم اور زندگی اللہ کی نعمت ہیں اور اچھی زندگی اللہ کی رضا کے مطابق گزارنی ہے۔

اس مرحلے میں کامیابی یہ نہیں ہوگی کہ بچہ کتنی کتابیں ختم کر چکا ہے؛ کامیابی یہ ہوگی کہ اس میں سچ بولنے، چیز واپس کرنے، باری کا انتظار کرنے، دوسروں کی مدد کرنے، صفائی رکھنے، شکر ادا کرنے، سوال کرنے اور محبت کرنے کی عادت پیدا ہوئی یا نہیں۔

یوں تعلیم کی ابتدا ہی عادت سازی سے ہوگی، کیونکہ بعد کی شخصیت انہی ابتدائی عادات کی تعمیر شدہ صورت ہوتی ہے۔ موجودہ تعلیمی و ابلاغی نظام بھی habit formation اور social learning کے ذریعے شخصیت بناتے ہیں، اس لیے اسلامی نظام کو ان انسانی mechanisms کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ خیر کی تشکیل کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

دوسرا مرحلہ: عمرِ ابتدائی — ”میں اللہ کو پہچانتا ہوں“

تقریباً چھ سے دس سال کی عمر میں بچہ شعوری طور پر سوال کرنے لگتا ہے۔ یہاں تربیت کا محور معرفت، نظم، صدق، امانت اور ذمہ داری بنے گا۔

اب اسے کائنات کو اللہ کی آیات کے طور پر پڑھنے کی ابتدائی تربیت دی جائے گی۔ آسمان، بارش، پودے، جانور، انسانی جسم، روشنی، پانی، موسم اور زمین

محض science topics نہیں ہوں گے بلکہ مشاہدے کے ذریعے حیرت، شکر اور معرفت کے دروازے بنیں گے۔

یہاں mathematics بچے کو منطقی نظم سکھائے گی، language اسے اظہار اور فہم دے گی، science اسے مشاہدہ اور سوال سکھائے گی، history اسے انسانی عمل کے نتائج سمجھائے گی اور social studies اسے معاشرتی ذمہ داری سے آشنا کرے گی۔

قرآن کی تلاوت، بنیادی فہم، سیرتِ رسول اکرمؐ اور اہل بیتؑ کے واقعات، اخلاقی حکایات اور عملی آداب اس مرحلے میں بنیادی تربیتی مواد ہوں گے۔

مگر یہاں بھی مقصد معلومات کا انبار نہیں ہو گا۔ بچہ یہ سیکھے گا کہ صدق صرف ایک اخلاقی سبق نہیں بلکہ زندگی کا اصول ہے؛ امانت صرف چیز واپس کرنے کا نام نہیں بلکہ ہر ذمہ داری کی حفاظت ہے؛ عدل صرف عدالت میں نہیں بلکہ کھیل، گھر، کلاس اور دوستی میں بھی مطلوب ہے۔

اس مرحلے کا عبد اللہ ایسا بچہ ہو گا جو اللہ کو صرف "جانتا" نہیں بلکہ اپنی روزمرہ زندگی میں اللہ کی نگرانی اور نعمت کا احساس رکھنے لگتا ہے۔

تیسرا مرحلہ: عمرِ قبلِ بلوغ — ”میں اپنے نفس کا ذمہ دار ہوں“

تقریباً دس سے تیرہ سال کی عمر میں تعلیم کا مرکز انسان کے اندر منتقل ہو گا۔ اب طالب علم اپنے جذبات، خواہشات، غصے، حسد، خوف، شہوت، مقابلے، ناکامی، کامیابی اور خود اعتمادی کو سمجھنے لگے گا۔

یہاں معرفتِ نفس بنیادی موضوع بنے گی۔

اسے یہ سمجھایا جائے گا کہ انسان کے اندر خواہش ہے مگر وہ خواہش کا غلام نہیں؛ غصہ ہے مگر غصہ اس کا حاکم نہیں؛ خوف ہے مگر خوف اس کی تقدیر نہیں؛ ناکامی آتی ہے مگر ناکامی اس کی شناخت نہیں؛ کامیابی ملتی ہے مگر کامیابی اسے دوسروں سے افضل نہیں بناتی۔

یہی وہ مرحلہ ہے جہاں موجودہ نظام کے competitive culture کا متبادل تیار کیا جاسکتا ہے۔ طالب علم کو صرف دوسرے سے آگے نکلنے کی تربیت نہیں دی جائے گی بلکہ اپنے نفس، اپنی کمزوری، اپنی سستی اور اپنی جہالت پر قابو پانے کی تربیت دی جائے گی۔

یہاں جسمانی تربیت، کھیل، self-management، وقت کی تنظیم، مطالعہ، بنیادی financial literacy، digital discipline اور emotional literacy بھی شامل ہوں گے۔

اس عمر میں طالب علم کو یہ بھی سمجھنا شروع کرنا ہو گا کہ اس کا جسم بھی امانت ہے، وقت بھی امانت ہے، ذہن بھی امانت ہے اور صلاحیت بھی امانت ہے۔

اس مرحلے کا عبداللہ اپنے نفس کو پہچاننے اور اسے تربیت دینے والا انسان ہو گا۔

چوتھا مرحلہ: بلوغ اور مکی شعور — ”میں حق و باطل کو پہچانتا ہوں“

تقریباً تیرہ سے سولہ سال کی عمر وہ مرحلہ ہے جہاں تعلیمی نظام کو باقاعدہ مکی شعور کی تعمیر شروع کرنی چاہیے۔

یہی وہ عمر ہے جب نوجوان مختلف نظریات، personalities، social media narratives اور تہذیبی تصورات سے تیزی سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لیے اسے محض ”یہ صحیح ہے، یہ غلط ہے“ بتانا کافی نہیں ہو گا؛ اسے یہ سکھانا ہو گا کہ صحیح اور غلط کو پہچانا کیسے جاتا ہے۔

یہاں قرآن کے توحیدی، اخلاقی، اجتماعی اور انسانی تصورات کو عصرِ حاضر کے بنیادی سوالات کے ساتھ مربوط کیا جائے گا۔

نوجوان کو capitalism ، consumerism، individualism، secularism، colonialism، cultural imperialism، nationalism، materialism، media manipulation، propaganda، power structures اور تہذیبی غلبے جیسے تصورات سے تعارف کرایا جائے گا۔

مقصد کسی خاص قوم سے نفرت پیدا کرنا نہیں ہو گا بلکہ استکبار کو پہچاننے کی بصیرت پیدا کرنا ہو گا۔

اسے یہ سمجھنا ہو گا کہ استعمار صرف فوج کے ذریعے نہیں آتا۔ نصاب، زبان، میڈیا، یونیورسٹی، research priorities، technology، intellectual property، funding، امتحانی نظام اور ترقی کے تصورات بھی ذہنی و تہذیبی انحصار پیدا کر سکتے ہیں۔

یہاں طالب علم کو یہ شعور دیا جائے گا کہ وہ عالمی نظام کا محض consumer یا economic unit نہیں بلکہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ تحقیقاتی تصور میں بھی مکی

مرحلے کی اصل روح کو شعور کی آزادی اور انسان کو عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے محض پرزے کے بجائے خدا کا خلیفہ سمجھنے سے جوڑا گیا ہے۔

اس مرحلے کا عبد اللہ باشعور، سوال کرنے والا، حق شناس اور تہذیبی طور پر خوددار نوجوان ہو گا۔

پانچواں مرحلہ: ثانوی تعلیم — ''میں اپنی زندگی کا مقصد جانتا ہوں''

تقریباً سولہ سے اٹھارہ سال کی عمر میں تعلیم کا مرکز مقصدِ زندگی اور ذمہ داری ہو گا۔

یہاں طالب علم کو career کے انتخاب کے قریب لایا جائے گا، مگر career guidance کو صرف معاشی مفاد کے تابع نہیں کیا جائے گا۔

اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ ''کس شعبے میں سب سے زیادہ salary ہے؟'' بلکہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ ''تمہاری صلاحیت کیا ہے؟ تمہیں کس کام میں excellence حاصل ہو سکتی ہے؟ معاشرے کو کس خدمت کی ضرورت ہے؟ تم اپنی صلاحیت کو اللہ کی رضا اور خلق کی خدمت کے لیے کیسے استعمال کر سکتے ہو؟''

اسی مرحلے میں science ، commerce، humanities، technology، arts اور دیگر شعبوں میں تخصص کی بنیاد مضبوط کی جائے گی۔

مگر تخصص کے ساتھ توحیدی worldview برقرار رہے گا۔

یہاں موجودہ نظام کے ایک بڑے مسئلے کا حل ضروری ہے: تخصص طالب علم کو صرف "سائنس دان، انجینئر، ڈاکٹر یا businessperson" بنانے تک محدود نہ کر دے بلکہ اس کے اندر عبدِ صالح اور ذمہ دار انسان کی تشکیل جاری رہے۔

اس مرحلے کا طالب علم جانتا ہو گا:

میں کیا بننا چاہتا ہوں؟

میں کیوں بننا چاہتا ہوں؟

میری صلاحیت کس کی امانت ہے؟

میرے پیشے سے معاشرے کو کیا ملے گا؟

میرے شعبے میں ظلم کی ممکنہ صورتیں کیا ہیں؟

اور میں اپنے علم کو استکبار کے بجائے عدل کی خدمت میں کیسے استعمال کر سکتا ہوں؟

یہیں سے mission،career میں تبدیل ہونا شروع ہو گا۔

چھٹا مرحلہ: یونیورسٹی سے پہلے کا ''تمدنی شعور''

اٹھارہ سال کے قریب پہنچتے ہوئے طالب علم کو صرف university entrance کے لیے تیار کرنا کافی نہیں ہو گا۔ اسے تمدنی انسان بنانا ہو گا۔

اب وہ ریاست، معیشت، سیاست، قانون، میڈیا، international relations، تہذیب، technology، ماحول، جنگ، غربت، طبقاتی فرق اور عالمی طاقت کے ڈھانچوں کو سمجھنے کے قابل ہو گا۔

اسے یہ بھی سمجھنا ہو گا کہ ایک اچھا فرد خود بخود اچھا معاشرہ نہیں بناتا؛ ادارے، قوانین، معیشت، ثقافت، میڈیا اور سیاسی طاقت بھی انسانی زندگی تشکیل دیتے ہیں۔

یہاں مکی شعور کا اگلا قدم سامنے آئے گا: فرد سے معاشرے کی طرف توجہ۔

یہی وہ مرحلہ ہے جہاں طالب علم یہ سمجھنا شروع کرے گا کہ عدل صرف میرے ذاتی کردار کا مسئلہ نہیں بلکہ اجتماعی نظام کا بھی مسئلہ ہے۔

ساتواں مرحلہ: یونیورسٹی — ''میں اپنے علم کو امانت سمجھتا ہوں''

اعلیٰ تعلیم میں داخل ہونے کے بعد طالب علم کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہو گا کہ تخصص اسے باقی انسانی حقیقت سے کاٹ دے۔

وہ economist بن کر انسان کو صرف market unit ، psychologist بن کر انسان کو صرف behavior ،biologist بن کر زندگی کو صرف mechanism ،engineer بن کر technology کو صرف efficiency،اور political scientist بن کر اقتدار کو صرف power management نہ سمجھنے لگے۔

اس لیے university education میں تخصص کے اندر توحیدی بصیرت ضروری ہو گی۔

ہر discipline کے اندر اپنے بنیادی فلسفیانہ مقدمات کا مطالعہ کیا جائے گا۔

سائنس میں یہ سوال ہو گا کہ scientific method کی حدود کیا ہیں اور science اور metaphysics کا تعلق کیا ہے۔

Psychology میں یہ سوال ہو گا کہ انسان صرف behavior ہے یا اس کے اندر روح، ارادہ، اخلاق اور معنویت بھی ہے۔

Economics میں یہ سوال ہو گا کہ انسان صرف utility maximizer ہے یا اخلاقی و روحانی وجود بھی ہے۔

Political science میں یہ سوال ہو گا کہ power کا اخلاقی جواز کیا ہے۔

Law میں یہ سوال ہو گا کہ قانون اور عدل کا تعلق کیا ہے۔

Education میں یہ سوال ہو گا کہ انسان کی ultimate purpose کیا ہے۔

یہی وہ علمی آزادی ہے جس میں طالب علم جدید علم سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر اس کے ہر فلسفیانہ مقدمے کو غیر مشروط طور پر قبول نہیں کرتا۔

تحقیقاتی تصور بھی اس بات پر زور دیتا ہے کہ مطلوب علم وہ ہے جو عقل کو وحی سے جوڑے، قرآن، عقل اور فطرت سے مربوط ہو اور انسان کو "نفع و مقابلے کا غلام" بنانے کے بجائے طالبِ حق بنائے۔

آٹھواں مرحلہ: یونیورسٹی میں "علم سے خدمت"

اعلیٰ تعلیم کی کامیابی کا ایک بنیادی پیمانہ research اور service ہو گا۔

طالب علم کا thesis صرف degree حاصل کرنے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ کسی حقیقی انسانی مسئلے کو سمجھنے یا حل کرنے کی کوشش ہو۔

Medical student محروم طبقے کی health needs کو سمجھے۔

Engineering student پانی، توانائی، رہائش یا accessibility کے

مسائل پر کام کرے۔ Business student ethical enterprise اور employment generation کے مسائل پر تحقیق کرے۔ Education student effective تربیت اور character formation کے models بنائے۔ Computer scientist ایسی technology بنائے جو انسان کو empower کرے نہ کہ صرف اسے manipulate کرے۔

اس طرح university کا علم معاشرے سے دوبارہ جڑ جائے گا۔

یہی اس تصور کے مطابق ہے کہ علم جب انسانی درد، عدل کی تڑپ اور قربِ الٰہی کے جذبے سے جڑ کر عام انسان کے لیے کارآمد ہو جائے تو وہ حقیقی تمدنی قوت بن سکتا ہے۔

نواں مرحلہ: پیشہ ورانہ زندگی کی دہلیز — ”میرا کام میری عبادت ہے“

یونیورسٹی سے فارغ ہونے والا نوجوان اس مقام پر پہنچے گا جہاں اسے اپنی عملی زندگی شروع کرنی ہے۔

یہاں نظام تعلیم کا آخری پیغام یہ ہو گا:

اب تمہیں اپنے علم کا امتحان دینا ہے۔

اب تم دیکھو گے کہ تمہاری دیانت salary کے دباؤ میں برقرار رہتی ہے یا نہیں۔ تمہارا عدل promotion کے مقابلے میں باقی رہتا ہے یا نہیں۔ تمہاری حیا، قناعت اور خدا خوفی corporate culture کے اندر قائم رہتی ہے یا نہیں۔ تم اپنی expertise کو ظلم کے لیے استعمال کرنے سے انکار کر سکتے ہو یا نہیں۔

یہاں ''عبادت'' کا مفہوم مکمل طور پر سامنے آئے گا۔

اگر engineer جانتا ہے کہ ناقص material استعمال کر کے لوگوں کی جان خطرے میں ڈالنا ظلم ہے تو اس کا معیارِ کار عبادت بن جاتا ہے۔

اگر accountant جانتا ہے کہ جھوٹا حساب دینا خیانت ہے تو اس کی professional integrity عبادت بن جاتی ہے۔

اگر journalist جانتا ہے کہ خبر کو جان بوجھ کر اس طرح frame کرنا کہ حق چھپ جائے ظلم ہے تو اس کی حق گوئی عبادت بن جاتی ہے۔

اگر scientist جانتا ہے کہ اس کی تحقیق انسانیت کے خلاف استعمال ہو سکتی ہے تو ethical responsibility عبادت بن جاتی ہے۔

اگر businessman جانتا ہے کہ employee کا استحصال بھی ظلم ہے تو اس کا business model عبادت کے تقاضوں کے تحت آتا ہے۔

یوں عبادت زندگی سے فرار نہیں بلکہ زندگی کو خدا کی اطاعت میں منظم کرنے کا نام بن جاتی ہے۔

دسواں مرحلہ: ''مصلح انسان''

تعلیم کا آخری مطلوبہ نتیجہ صرف ''صالح فرد'' بھی نہیں بلکہ مصلح انسان ہو گا۔

صالح انسان اپنے آپ کو درست کرتا ہے؛ مصلح انسان اپنی اصلاح کے ساتھ ماحول کی اصلاح کی ذمہ داری بھی محسوس کرتا ہے۔

وہ جہاں ظلم دیکھتا ہے وہاں کم از کم اس کے خلاف شعور پیدا کرتا ہے۔ جہاں جہالت ہے وہاں علم پہنچاتا ہے۔ جہاں غربت ہے وہاں خدمت کرتا ہے۔ جہاں فکری غلامی ہے وہاں آزاد فکر پیدا کرتا ہے۔ جہاں استحصال ہے وہاں عدل کے لیے آواز اٹھاتا ہے۔ جہاں فساد ہے وہاں اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔

یہی وہ شخصیت ہے جس کی ضرورت کسی بڑے الٰہی اجتماعی انقلاب سے پہلے ہوتی ہے۔

مکی دور کی اہمیت بھی اسی انسان سازی میں تھی۔ مدینہ کا اجتماعی نظام پہلے سے تیار شدہ انسانوں اور شعور کی بنیاد پر قائم ہوا؛ اس لیے آج بھی کسی حقیقی اسلامی تمدنی تبدیلی سے پہلے انسان سازی اور شعور سازی بنیادی مرحلہ ہے۔

عبد اللہ کی عمر بہ عمر تکمیل

اس پورے تعلیمی سفر کو اگر ایک مسلسل انسانی ارتقاء کے طور پر دیکھا جائے تو بچپن میں بچہ سیکھتا ہے:

اللہ مجھے چاہتا ہے۔

ابتدائی تعلیم میں:

اللہ نے مجھے نعمتیں دی ہیں، مجھے شکر گزار ہونا ہے۔

قبلِ بلوغ میں:

اللہ نے مجھے عقل اور اختیار دیا ہے، مجھے اپنے نفس کا ذمہ دار ہونا ہے۔

مکی شعور کے مرحلے میں:

اللہ حق ہے، مجھے حق و باطل میں فرق کرنا ہے۔

ثانوی تعلیم میں:

میری زندگی بے مقصد نہیں، مجھے اپنی صلاحیت کو مقصد دینا ہے۔

اعلیٰ ثانوی مرحلے میں:

میرا profession میری شناخت نہیں، میری امانت ہے۔

یونیورسٹی میں:

میرا علم میری ملکیت نہیں، میری ذمہ داری ہے۔

پیشہ ورانہ زندگی میں:

میرا کام میری عبادت بن سکتا ہے۔

تمدنی شعور میں:

میری کامیابی صرف میری نہیں، معاشرے سے بھی متعلق ہے۔

اور مصلح انسان کی منزل پر:

میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے جہاں ہوں وہاں حق، عدل، خیر اور کرامت کے قیام میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

یہ دراصل ''عبداللہ'' کی تدریجی تعمیر ہے۔

اس پورے سفر کا ایک جامع تربیتی تسلسل

یوں مطلوبہ نظامِ تعلیم بچے کو محض ایک کلاس سے دوسری کلاس میں منتقل نہیں کرے گا بلکہ اسے ایک مسلسل سفر سے گزارے گا:

فطرت ⟵ محبت ⟵ معرفت ⟵ عادت ⟵ خود شناسی ⟵ تقویٰ ⟵ مکی شعور ⟵ حق شناسی ⟵ فکری آزادی ⟵ تہذیبی خودی ⟵ علمی مہارت

⟵ پیشہ ورانہ ⟵ excellence خدمت ⟵ عدل ⟵ اصلاح ⟵ انتظار ⟵ عبدیتِ کاملہ

یہ تسلسل اس لیے اہم ہے کہ اگر ہم صرف آخری منزل بیان کریں گے تو نظام idealistic رہے گا؛ جبکہ تعلیم کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ ایک چھوٹے بچے کے اندر موجود فطری استعداد کو بتدریج ایسے بالغ انسان میں تبدیل کرے جو علم، عمل اور عدل کو ایک وحدت میں جیتا ہو۔

اور یہی وہ نکتہ ہے جہاں ظہورِ امام زمانہؑ کے لیے زمینہ ساز تعلیم کا تصور سامنے آتا ہے۔ مطلوب علم وہ ہے جو صرف ذہن کو معلومات سے نہ بھرے بلکہ روح کو بیدار، نفس کو منضبط، عقل کو روشن اور اجتماعی شعور کو عدل کے لیے آمادہ کرے۔

لیکن ایک بنیادی سوال ابھی باقی ہے

اب تک ہم نے یہ طے کیا کہ کس قسم کا انسان بنانا ہے اور عمر کے مختلف مراحل میں اس انسان کی تعمیر کیسے ہو گی۔ لیکن ایک انتہائی اہم سوال ابھی باقی ہے: اس نظام میں اصل نصاب کیا ہو گا؟

یعنی اگر ہم واقعی قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں جدید تعلیم بنانا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں یہ طے کرنا ہو گا کہ پری اسکول سے یونیورسٹی تک کون سے علوم بنیادی

ہوں، کون سے مشترک ہوں، کون سے تخصصی ہوں، ہر مضمون کو اسلامی worldview سے کیسے مربوط کیا جائے، قرآن کو تمام علوم سے کیسے جوڑا جائے، سائنس، ریاضی، تاریخ، معاشیات، نفسیات، فلسفہ، میڈیا، ٹیکنالوجی اور زبانوں کو کس ترتیب سے پڑھایا جائے، اور کون سے نئے مضامین موجودہ نظام میں شامل کیے جائیں؟

اس سوال کا جواب صرف "مضامین کی فہرست" سے نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نصاب میں کون سا علم داخل ہو، کس ترتیب سے داخل ہو، اسے کس تصورِ انسان اور تصورِ حقیقت کے تحت پڑھایا جائے، اور اس علم سے طالب علم کی شخصیت اور عملی زندگی میں کیا تبدیلی مطلوب ہو۔ اسی لیے یہاں نصاب کو محض subjects کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مربوط توحیدی تعلیمی architecture کے طور پر دیکھنا ہو گا۔ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ محض اسلامیات کا ایک مضمون بڑھا دینا کافی نہیں؛ economics، psychology، sociology، anthropology، civilization اور دیگر علوم کے بنیادی مفروضات کو قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں از سرِ نو دیکھنا ہو گا۔

قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں جدید جامع نصاب کا تصور

نصاب کی پہلی بنیاد: علم کو مضامین میں نہیں، حقیقت کے نظام میں دیکھنا

قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں جدید نظامِ تعلیم کا نصاب اس بنیادی تصور سے شروع ہو گا کہ حقیقت ایک ہے، اگرچہ انسانی علم اس حقیقت کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ کائنات، انسان، معاشرہ، تاریخ، مادہ، زندگی، زبان، ذہن، معیشت، سیاست اور ٹیکنالوجی ایک دوسرے سے الگ الگ جزیرے نہیں ہیں۔ ان سب کے پیچھے ایک ہی ربانی حقیقت، ایک ہی تخلیقی نظام اور ایک ہی اخلاقی ذمہ داری موجود ہے۔

اس لیے موجودہ تعلیمی نظام کی طرح علم کو مکمل طور پر compartmentalize نہیں کیا جائے گا کہ فزکس ایک دنیا ہے، economics دوسری، psychology تیسری، history چوتھی اور religion پانچویں۔ اس کے بجائے ہر علم اپنی مخصوص سطح پر حقیقت کے

کسی پہلو کو سمجھنے کا ذریعہ ہو گا، جبکہ قرآن اور اہل بیتؑ اس پورے علم کو اس کے معنی، مقصد، اخلاقی سمت اور انسانی ذمہ داری سے جوڑنے کا بنیادی سرچشمہ ہوں گے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر سائنسی equation کے ساتھ کوئی آیت لکھ دی جائے یا ہر معاشی سبق کے آخر میں ایک حدیث شامل کر دی جائے۔ ایسا کرنا حقیقی integration نہیں بلکہ محض decoration ہو گا۔ حقیقی integration اس وقت ہو گا جب طالب علم کو یہ سمجھ آئے کہ یہ علم حقیقت کو کس زاویے سے دیکھتا ہے، اس کی حدود کیا ہیں، اس کے بنیادی مفروضات کیا ہیں، اس سے کون سی انسانی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اس کا غلط استعمال کیسے ہو سکتا ہے، اور قرآن و اہل بیتؑ اس علم کو کس اخلاقی و غائی سمت میں لے جاتے ہیں۔

اسی لیے اس نظام میں اسلامی worldview کسی ایک مضمون کا حصہ نہیں ہو گا بلکہ پورے curriculum کا operating system ہو گا۔

موجودہ نصاب کے بارے میں تحقیقاتی مطالعات بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نصاب کبھی محض معلومات منتقل نہیں کرتا؛ وہ ذہنی زاویہ، اقدار، ترجیحات اور شناخت بھی تشکیل دیتا ہے۔

نصاب کے چار بنیادی دائرے

اس جامع نصاب کو بنیادی طور پر چار بڑے دائروں میں منظم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دائرہ ''معرفت و ہدایت'' کا ہو گا، دوسرا ''انسان و شخصیت'' کا، تیسرا ''کائنات و دنیا'' کا، اور چوتھا ''معاشرہ و تمدن'' کا۔

معرفت و ہدایت کے دائرے میں قرآن، قرآن فہمی، سیرت رسول اکرمؐ، اہل بیتؑ، عقائد، اخلاق، عبادات، دعا، تاریخِ انبیاء، ولایت، امامت، موعودیت اور آخرت جیسے موضوعات آئیں گے۔

انسان و شخصیت کے دائرے میں psychology ، neuroscience، health، physical education، emotional intelligence، communication، self-management، family، اخلاقی تربیت، studies، sexuality education کے مناسب اور شرعی حدود میں تربیتی پہلو، leadership، creativity اور personal development شامل ہوں گے۔

کائنات و دنیا کے دائرے میں mathematics ، physics، chemistry، biology، medicine، earth sciences، astronomy، agriculture، environment، engineering،

،artificial intelligence ،computer science
energy sciences ،nanotechnology ،biotechnology اور
دیگر natural وapplied sciences شامل ہوں گے۔

معاشرہ و تمدن کے دائرے میں history ،geography ،sociology،
،political science ،finance ،economics ،anthropology
،media studies ،international relations ،law
urban ،public policy ،education ،civilization studies
development studies ،studies اور تہذیبی مطالعات شامل ہوں
گے۔

ان چاروں دائروں کے اوپر قرآن و اہل بیتؑ کا توحیدی worldview ہو گا اور ان سب کے درمیان فکر، اخلاق، تحقیق، خدمت اور عدل کی مشترک competencies ہوں گی۔

کون سے علوم بنیادی ہوں؟

اس نظام میں کچھ علوم ایسے ہوں گے جو ہر طالب علم کے لیے بنیادی ہوں گے، خواہ وہ مستقبل میں ڈاکٹر بنے، انجینئر، تاجر، عالم، استاد، programmer، artist یا researcher۔

سب سے پہلے قرآن فہمی بنیادی علم ہو گی۔ یہاں قرآن کو صرف حفظ یا تلاوت تک محدود نہیں کیا جائے گا بلکہ طالب علم کو یہ سکھایا جائے گا کہ قرآن انسان، کائنات، علم، اخلاق، تاریخ، معاشرہ، عدل، طاقت، مال، خاندان، جنگ، امن، آزادی اور آخرت کے بارے میں کیا worldview پیش کرتا ہے۔

اس کے ساتھ عربی زبان بنیادی اہمیت رکھے گی، کیونکہ قرآن کے اصل متن تک براہ راست رسائی کے بغیر قرآنی معرفت کی ایک بڑی سطح ترجمے کے واسطے سے ہی حاصل ہو گی۔ عربی کو صرف grammar کا مضمون بنانے کے بجائے قرآن فہمی، حدیث فہمی، اسلامی تہذیب اور classical texts کے مطالعے کی زبان بنایا جائے گا۔

اس کے ساتھ سیرت رسول اکرمؐ اور سیرتِ اہل بیتؑ بنیادی مشترک علم ہو گا۔ لیکن اسے صرف واقعات کی chronological تاریخ کے طور پر نہیں پڑھایا جائے گا۔ طالب علم یہ دیکھے گا کہ مکی دور میں انسان کیسے بنایا گیا، مدینہ میں معاشرہ کیسے تشکیل پایا، امیر المؤمنینؑ نے اقتدار اور عدل کو کیسے دیکھا، امام حسینؑ نے ظلم کے مقابلے میں کیا اصول قائم کیا، امام سجادؑ نے شکست خوردہ معاشرے میں معنوی reconstruction کیسے کیا، امام باقرؑ و

امام صادقؑ نے علمی تمدن کیسے تشکیل دیا، اور ائمہؑ نے مختلف تاریخی حالات میں انسانی، علمی اور اجتماعی ذمہ داری کیسے ادا کی۔

اس طرح تاریخِ اہل بیتؑ "ماضی" نہیں رہے گی بلکہ تمدنی leadership کا تربیتی نصاب بن جائے گی۔

قرآن کو تمام علوم سے کیسے جوڑا جائے؟

یہ سب سے اہم سوال ہے۔

قرآن کو تمام علوم سے جوڑنے کے لیے "آیات تلاش کرنے" کے بجائے قرآنی سوالات کو تمام علوم کے اندر داخل کرنا ہو گا۔

مثلاً سائنس میں طالب علم یہ سیکھے گا کہ کائنات کیسے کام کرتی ہے، مگر ساتھ یہ سوال بھی کرے گا کہ کائنات کا مطالعہ انسان کو اپنے مقام اور ذمہ داری کے بارے میں کیا بتاتا ہے۔ قرآن اسے کائنات کو آیات، نعمت اور امانت کے طور پر دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔

Biology میں وہ زندگی کے biological mechanisms پڑھے گا، مگر انسان کو صرف biological machine سمجھنے کے بجائے روح، ارادہ، اخلاق اور ذمہ داری کے سوالات بھی زیرِ بحث آئیں گے۔

Economics میں demand، supply، inflation، productivity اور markets پڑھائے جائیں گے، مگر ساتھ یہ سوال ہو گا کہ "معاشی کامیابی" کی تعریف کیا ہے؟ کیا GDP بڑھنا ہی فلاح ہے؟ کیا انسان consumer ہے؟ کیا دولت کی آزادی مطلق ہے؟ کیا profit ہر حال میں جائز مقصد ہے؟ غربت، استحصال اور concentration of wealth کے بارے میں اخلاقی ذمہ داری کیا ہے؟

Psychology میں cognition، memory، emotion، personality اور behavior پڑھائے جائیں گے، مگر انسان کو صرف behavior-producing organism کے طور پر نہیں دیکھا جائے گا؛ ارادہ، اخلاق، روح، فطرت، تزکیہ، خواہش اور ذمہ داری بھی انسانی شخصیت کے مطالعے کا حصہ ہوں گے۔

political science میں state، power، governance اور institutions پڑھائے جائیں گے، مگر ساتھ یہ سوال ہو گا کہ اقتدار کی اخلاقی legitimacy کیا ہے، ظلم کیا ہے، عدل کیا ہے، حکمران کی ذمہ داری کیا ہے اور انسان ریاست کا محض subject ہے یا باکرامت مخلوق؟

اس integration کا مقصد science کو religion میں بدلنا نہیں بلکہ علم کو غایت، اخلاق اور انسانی ذمہ داری سے جوڑنا ہے۔

یہی اس تصور سے مطابقت رکھتا ہے کہ اسلامی نظام میں علم کا سرچشمہ وحی، عقلِ سلیم اور فطرت کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے، نہ کہ بازار، طاقت یا محض مادی مفاد سے۔

ریاضی: عقل، نظم اور فیصلہ سازی کا علم

ریاضی کو محض امتحان پاس کرنے کے لیے پڑھانا مطلوبہ نظام کے لیے ناکافی ہو گا۔

ریاضی طالب علم کو logical reasoning، abstraction، pattern recognition، precision، probability، quantitative thinking اور problem-solving سکھائے گی۔ یہی صلاحیتیں بعد میں science، economics، engineering، computing اور AI کی بنیاد بنیں گی۔

مگر ریاضی کے ساتھ طالب علم کو یہ بھی سمجھایا جائے گا کہ ہر قابلِ حساب چیز قابلِ قدر نہیں ہوتی اور ہر اہم چیز کو numbers میں نہیں ناپا جاسکتا۔ محبت،

عدل، کرامت، امانت اور روحانی قدر کی اہمیت صرف quantitative measurement سے متعین نہیں ہوتی۔

اس طرح mathematics طالب علم کو quantitative intelligence کے ساتھ epistemic humility بھی دے گی۔

سائنس: کائنات پر تسلط نہیں، معرفت اور امانت

سائنس بنیادی علم ہو گا اور اس میں کسی قسم کی کمی مطلوب نہیں ہو گی۔ physics، chemistry، biology، astronomy، geology، environmental science اور دیگر natural sciences عالمی معیار پر پڑھائے جائیں گے۔

لیکن سائنس کا مقصد صرف technological power حاصل کرنا نہیں ہو گا۔

طالب علم scientific method، experimentation، evidence، hypothesis، falsification، measurement اور uncertainty سیکھے گا، لیکن ساتھ یہ بھی سمجھے گا کہ empirical science حقیقت کے ایک مخصوص دائرے کا مطالعہ کرتی ہے اور اسے

metaphysical questions کے تمام جوابات کا واحد ذریعہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

سائنس کے ذریعے کائنات پر انسانی تسلط کے بجائے معرفت، تعمیر، حفاظت اور خدمت کا تصور پیدا کیا جائے گا۔

تحقیقات اسی سمت میں natural sciences کو اسلامی دائرۂ معرفت میں برقرار رکھنے، مگر ان کے اصول و مقاصد کو خدا کی زمین کی آبادکاری، انسانی کرامت، عدل اور توازن سے جوڑنے کی بات کرتی ہیں۔

طب اور Health Science: جسم سے روح تک

Medicine کو صرف disease treatment کا علم نہیں سمجھا جائے گا بلکہ health، prevention، nutrition، mental well-being، public health، family health اور انسانی dignity کے جامع تصور کے ساتھ پڑھایا جائے گا۔

طبی طالب علم یہ سمجھے گا کہ patient صرف disease-bearing body نہیں ہے بلکہ ایک باکرامت انسان ہے۔

medical ethics، informed consent، confidentiality، equitable access، pharmaceutical ethics، public

health justice اور vulnerable populations کی حفاظت بنیادی تربیت کا حصہ ہوں گے۔

طب میں جدید biotechnology، genomics، AI-assisted diagnosis، telemedicine، medical imaging، prosthetics اور regenerative medicine بھی شامل ہوں گے، لیکن ہر نئی technology کے ساتھ ethical question بھی ہو گا کہ اس کا استعمال کس کے فائدے میں ہے، اس کے خطرات کیا ہیں اور انسانی کرامت کیسے محفوظ رہے گی۔

تحقیقی مواد بھی طب کو جسمانی صحت کے ساتھ روحانی و اخلاقی صحت سے جوڑنے کی سمت تجویز کرتا ہے۔

زراعت، خوراک اور ماحولیات

Agriculture کو صرف crop production نہیں سمجھا جائے گا۔

طالب علم soil، water، climate، food systems، biodiversity، irrigation، sustainable agriculture، food security اور agricultural technology سیکھے گا، مگر زمین کو

محض commercial resource سمجھنے کے بجائے امانت اور نعمت کے طور پر دیکھے گا۔

اس سے ماحولیات، climate science، waste management، renewable energy، conservation، biodiversity اور ecological ethics نصاب میں قدرتی طور پر داخل ہوں گے۔

تحقیقاتی تصور میں بھی زراعت اور ماحولیات کو زمین کی امانت اور حفاظت کے ساتھ جوڑنے کی واضح سمت موجود ہے۔

تاریخ: بادشاہوں کی تاریخ نہیں، انسانی فیصلوں کی تاریخ

History کو dates، kings اور wars کا مجموعہ بنانے کے بجائے انسانی تمدن، طاقت، اخلاق اور نتائج کے مطالعے میں تبدیل کرنا ہو گا۔

طالب علم انبیاء کی تاریخ، اسلامی تاریخ، اہل بیتؑ کی تاریخ، مسلم تہذیب، برصغیر کی تاریخ اور عالمی تاریخ پڑھے گا، لیکن ساتھ colonialism، slavery، imperialism، industrialization، capitalism، nationalism، world wars، Zionism، Cold War،

contemporary اور digital age ،globalization

geopoliticsکا بھی مطالعہ کرے گا۔

یہاں ایک اہم اصول ہو گا کہ تاریخ کسی ایک طاقت کے narrative کے تحت نہ پڑھی جائے۔ طالب علمsource criticism ، propagandaاور bias ،perspective ،historiography

historical memory کو سمجھے۔

کیونکہ اگر تاریخ کا زاویہ بدل دیا جائے تو قوم اپنے آپ کو بھی مختلف انداز سے دیکھنے لگتی ہے۔ تحقیقاتی مطالعات میں بھی نصاب، زبان اور تاریخ کو تہذیبی شناخت کی تشکیل کے اہم ذرائع کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

جغرافیہ: زمین، وسائل اور ذمہ داری

Geography کو صرف نقشے یاد کرنے تک محدود نہیں رکھا جائے گا۔ اس میںphysical geography ، human geography، population ،resources ،migration ،cities ،climate، water ،agricultureاور geopolitics شامل ہوں گے۔

طالب علم یہ دیکھے گا کہ وسائل کہاں ہیں، طاقت کہاں مرکوز ہے، تجارت کے راستے کیسے بنتے ہیں، ریاستیں وسائل کے لیے کیسے مقابلہ کرتی ہیں، اور کس طرح جغرافیہ جنگ، معیشت اور عالمی سیاست پر اثرانداز ہوتا ہے۔

یوں geography میں بھی عدل، امانت اور عالمی ذمہ داری داخل ہو گی۔

معاشیات: دولت سے پہلے فلاح

Economics اس نئے نصاب کا انتہائی اہم میدان ہو گا، کیونکہ موجودہ نظام میں education اور employment کے بعد سب سے زیادہ اثر economic worldview کا ہوتا ہے۔

طالب علم mainstream economics کے تمام ضروری تصورات پڑھے گا؛ markets ، prices، production، consumption، trade، finance، monetary policy، fiscal policy، entrepreneurship، development، international economics، behavioral economics اور economic history سب اس کے نصاب کا حصہ ہوں گے۔

لیکن ساتھ یہ بنیادی سوالات بھی ہوں گے کہ انسان کی معاشی تعریف کیا ہے؟ کیا وہ صرف utility maximizer ہے؟ کیا unlimited

consumption خوشحالی ہے؟ کیا market ہر اخلاقی سوال حل کر سکتا ہے؟ کیا profit اور justice ہمیشہ ہم آہنگ ہوتے ہیں؟ غربت کے اسباب کیا ہیں؟ دولت کی concentration کے اثرات کیا ہیں؟ قرض، سود، exploitation اور monopoly کے اخلاقی مسائل کیا ہیں؟

اس طرح economics کا مقصد صرف "زیادہ کمانا" نہیں بلکہ عادلانہ معاشی نظام کو سمجھنا اور تعمیر کرنا ہو گا۔

تحقیقاتی تصور میں بھی معیشت کو صرف پیداوار اور کھپت کے بجائے قناعت، عدل، امانت اور خدمت سے مربوط کرنے کی سمت واضح ہے۔

Finance اور Entrepreneurship

ہر طالب علم کو بنیادی financial literacy دی جائے گی، مگر commerce اور business کے طلبہ کے لیے اس کا اعلیٰ سطحی مطالعہ ہو گا۔

Accounting، auditing، banking، Islamic finance، fintech، investment، risk management، entrepreneurship، business strategy، supply chains اور corporate governance شامل ہوں گے۔

لیکن business ethics ایک الگ اضافی lecture نہیں ہو گی؛ business modelہی اس سوال کے تحت evaluate ہو گا کہ یہ کس طرح value پیدا کرتا ہے، کس کا استحصال کرتا ہے، کس کو فائدہ دیتا ہے اور معاشرے پر اس کے کیا اثرات ہیں۔

Entrepreneurship کا مطلوبہ طالب علم صرف startup" "founder نہیں بلکہ رزق پیدا کرنے والا، روزگار پیدا کرنے والا اور معاشرتی مسئلہ حل کرنے والا انسان ہو گا۔

Psychology : انسان کو صرف دماغ اور behaviorنہ سمجھنا

Psychologyکو بھی مکمل طور پر جدیدresearch سے الگ نہیں کیا جائے گا۔Cognitive psychology ، developmental psychology، social psychology، neuroscience، personality، learning، motivation، trauma، emotional regulation اور behavioral science پڑھائے جائیں گے۔

لیکن اسلامی psychology میں ایک بنیادی سوال برقرار ہوگا: انسان کی حقیقت کیا ہے؟

نفس، عقل، ارادہ، فطرت، روح، خواہش، تزکیہ، تقویٰ، نیت، اخلاق اور معنویت کو انسانیpersonality کے بڑے سوالات کے ساتھ dialogue میں رکھا جائے گا۔

اس سے نہ modern psychology رد ہوگی اور نہ اسلامی تصور محض quotationsتک محدود ہوگا؛ بلکہ ایک اسلامی anthropology of the human person تشکیل پانے کی کوشش ہوگی۔

یہی اس بنیادی ضرورت سے جڑا ہے کہ موجودہcurriculum کے anthropological modelکو بدلنا ہوگا، کیونکہ اگر انسان کو worker، consumer، economic unit یا competitor سمجھا جائے تو پورا curriculum اسی مقصد کے مطابق انسان بناتا ہے۔

Sociology اور Anthropology

Sociology طالب علم کو یہ سمجھائے گی کہ انسان اکیلا فرد نہیں بلکہ خاندان، برادری، ادارے، طبقے، ثقافت، مذہب، ریاست، میڈیا اور معاشی نظام کے اندر زندگی گزارتا ہے۔

،inequality ،social stratification ،Family sociology
،media ،religion ،education ،urbanization ،migration
social change اور collective behavior کا مطالعہ ہو گا۔

Anthropology میں مختلف تہذیبوں، cultures، kinship
systems، rituals، identities اور human societies کا
comparative study ہو گا۔

لیکن یہاں بھی طالب علم کو یہ سوال سکھایا جائے گا کہ کیا ہر cultural practice صرف اس لیے درست ہے کہ وہ کسی culture میں موجود ہے؟ اور کیا ہر modern practice ترقی کی علامت ہے؟

اس طرح cultural relativism اور cultural arrogance دونوں سے بچنے کی تربیت ہو گی۔

فلسفہ اور منطق: سوال کرنے کی تربیت

فلسفہ کو غیر ضروری مضمون سمجھ کر نکال دینا مطلوبہ اسلامی نظام کی غلطی ہو گی۔

بلکہ logic، epistemology، metaphysics، ethics،
political ،philosophy of mind،philosophy of science

بنیادی philosophy اور philosophy of technology higher-order thinking skills کے لیے اہم ہوں گے۔

طالب علم Plato، Aristotle، Muslim philosophers، modern Western philosophy، Enlightenment، existentialism، Marxism، liberalism، postmodernism اور contemporary philosophy سے واقف ہو گا۔

لیکن وہ ان نظریات کو عقیدے کی طرح نہیں پڑھے گا۔ وہ پوچھے گا: انسان کیا ہے؟ علم کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے؟ اخلاق کا ماخذ کیا ہے؟ آزادی کیا ہے؟ ترقی کیا ہے؟ طاقت کیا ہے؟ شعور کیا ہے؟

اور پھر ان سوالات کو قرآن، اہل بیتؑ، عقل اور فطرت کے ساتھ مربوط کر کے ایک مضبوط اسلامی فلسفیانہ شعور پیدا کیا جائے گا۔

زبانیں: زبان بطور worldview

زبان کو صرف communication skill سمجھنا بھی غلط ہو گا۔

اردو کو علمی، ادبی اور تہذیبی شناخت کی اہم زبان بنایا جائے گا۔ عربی کو قرآن، حدیث اور اسلامی علمی روایت کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہو گی۔ انگریزی کو global knowledge، science، technology، research

اور international communication کے لیے اعلیٰ معیار پر سکھایا جائے گا۔ فارسی کو اسلامی تہذیب، بالخصوص ایرانی علمی و ادبی ذخیرے تک رسائی کے لیے اہم مقام دیا جاسکتا ہے۔

ضرورت کے مطابق چینی، ہسپانوی، فرانسیسی یا دیگر عالمی زبانیں بھی advanced stages میں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

اصل اصول یہ ہو گا کہ انگریزی جاننا تہذیبی انگریز بننا نہیں ہے، اور اردو یا عربی جاننا جدید دنیا سے کٹ جانا نہیں ہے۔

زبانیں علم تک رسائی کے دروازے ہوں گی، شناخت کے قید خانے نہیں۔

تحقیقاتی مطالعات میں زبان کو بھی تہذیبی غلبے کا اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ زبان کے ذریعے صرف communication نہیں بلکہ worldview اور علمی ترجیحات بھی منتقل ہو سکتی ہیں۔

ادب: انسانی باطن کی تعمیر

ادب کو محض entertainment نہیں سمجھا جائے گا۔

شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما، سوانح، سفر نامہ اور کلاسیکی ادب کے ذریعے انسان، محبت، موت، ظلم، آزادی، قربانی، وفاداری، غم، امید اور معنویت کے سوالات زیرِ بحث آئیں گے۔

اردو ادب، فارسی ادب، عربی ادب، اسلامی ادبی روایت اور منتخب عالمی ادب پڑھایا جائے گا۔

لیکن طالب علم کو یہ بھی سکھایا جائے گا کہ ادب محض "خوبصورت زبان" نہیں بلکہ انسان کے تصور کی تشکیل بھی کرتا ہے۔

Media Literacy اور Information Literacy

آج media studies کو بنیادی علم کا درجہ دینا ضروری ہے۔

طالب علم news، advertising، public relations، film، social media، influencer culture، algorithms، recommendation systems، propaganda، misinformation، disinformation، framing، agenda-

setting، attention economy اور digital persuasion کا مطالعہ کرے گا۔

اسے یہ سکھایا جائے گا کہ جو کچھ اس کی screen پر بار بار دکھائی دیتا ہے، ضروری نہیں کہ وہی حقیقت کی پوری تصویر ہو۔

یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ تحقیقاتی مطالعات میں selective attention، authority، obedience، habit formation اور cultural imperialism جیسے mechanisms کے ذریعے تعلیم و میڈیا میں ذہن سازی کے امکانات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

Information Technology صرف computer چلانا نہیں

Information Technology کو صرف office software یا programming تک محدود نہیں کیا جائے گا۔

بچے کی ابتدائی سطح پر computational thinking ، digital literacy اور responsible technology use شروع ہو گا۔ بعد میں programming ، databases، networks،

،operating systems ،cloud computing ،cybersecurity
data ،web technologies ،software engineering
human-computer interaction ،algorithms ،structures
اور information systems پڑھائے جائیں گے۔

اعلیٰ سطح پر distributed systems ، cloud architecture،
،edge computing ،Internet of Things ،blockchain
quantum computing اور دیگر emerging technologies کو
شامل کیا جا سکتا ہے۔

لیکن IT education کے ساتھ digital ethics لازمی ہو گی۔
طالب علم یہ سوال کرے گا کہ data کس کی ملکیت ہے؟ privacy کیا
ہے؟ surveillance کی حدود کیا ہیں؟ algorithmic bias کیا ہے؟
digital addiction کیسے پیدا ہوتی ہے؟ technology انسان کو آزاد
کرتی ہے یا اس کے behavior کو manipulate بھی کر سکتی ہے؟

یہاں technology کو نہ شیطان بنایا جائے گا نہ نجات دہندہ؛ اسے انسانی
اختیار کے آلے کے طور پر سمجھا جائے گا جس کی اخلاقی سمت اس کے استعمال
اور design سے متعین ہوتی ہے۔

تحقیقات بھی technology کو باقی تمدنی شعبوں سے مربوط قرار دیتے ہوئے اس کی سمت کو سرمایہ دارانہ استحصال، جنگ، فضول تفریح اور انسانی غلامی کے بجائے خدمت، ماحول کے تحفظ اور عبادت سے جوڑنے کی ضرورت بیان کرتی ہیں۔

Artificial Intelligence نئے نصاب کا لازمی ستون

Artificial Intelligence کو اب optional subject نہیں سمجھا جاسکتا۔ موجودہ اور آنے والی دنیا میں AI تقریباً ہر profession کو متاثر کرے گی، اس لیے ہر طالب علم کو کم از کم AI literacy حاصل ہونی چاہیے۔

ابتدائی سطح پر بچے کو یہ سمجھایا جاسکتا ہے کہ machines data سے patterns سیکھ سکتی ہیں، recommendation systems کیسے کام کرتے ہیں اور AI-generated content کیا ہوتا ہے۔

ثانوی سطح پر computational thinking ، machine learning کے بنیادی تصورات، data، models، training، prediction، bias،

پڑھائے جائیں۔ algorithmic decision-making اور automation

جامعات میں computer science کے طلبہ کے لیے machine learning، deep learning، natural language processing، computer vision، reinforcement learning، generative AI agents، robotics، data engineering اور AI safety شامل ہوں۔

لیکن اسلامی worldview کے تحت AI کا سب سے اہم سوال صرف "کیسے بنائیں؟" نہیں ہو گا بلکہ AI "کس لیے بنائیں؟" ہو گا۔

کیا AI تعلیم کو democratize کرے گی یا knowledge monopolies پیدا کرے گی؟ کیا AI انسان کی creativity بڑھائے گی یا اسے passive consumer بنائے گی؟ کیا automated decision-making عدل بڑھائے گی یا bias کو بڑے پیمانے پر پھیلائے گی؟ کیا surveillance technologies انسانی privacy اور dignity کو نقصان پہنچائیں گی؟ AI-generated misinformation معاشرے پر کیا اثر ڈالے گی؟ جنگ میں

autonomous weapons کا اخلاقی مسئلہ کیا ہے؟ انسانی محنت کے automation کے بعد معاشی عدل کیسے قائم ہو گا؟

اس طرح AI تعلیم میں technology + ethics + law + economics + philosophy + human dignity ایک ساتھ آئیں گے۔

AI کے یہ مخصوص curricular components موجودہ بنیادی اصولوں کی عصرِ حاضر کے مطابق توسیع اور استنباط ہیں؛ تاہم ان کی بنیاد وہی اصول ہے جس کے مطابق technology کو انسانی خدمت، کرامت، ماحول اور الٰہی ذمہ داری کی سمت میں ڈھلنا چاہیے۔

Data Science اور Big Data

AI کے ساتھ data science بھی بنیادی جدید علم ہو گا۔

Statistics، data visualization، data analysis، databases، predictive modeling اور causal reasoning پڑھائے جائیں گے۔

لیکن طالب علم کو یہ بھی سکھایا جائے گا کہ data neutral نہیں ہوتا۔ کون سا data collect کیا گیا، کون سا نہیں کیا گیا، کس population کو

represent کیا گیا، کس نے algorithm بنایا، کس مقصد کے لیے data استعمال ہوا اور کون فیصلہ کر رہا ہے کہ "success" کس چیز کو کہیں گے، یہ سب ethical questions ہیں۔

یوں data literacy کے ساتھ epistemic ethics پیدا ہو گی۔

Cybersecurity حفاظت بطور امانت

Cybersecurity کو صرف technical defense کے طور پر نہیں بلکہ digital amanah کے طور پر پڑھایا جائے گا۔

Network security، cryptography، identity protection، secure software، cyber risk، digital fraud اور information protection سکھائے جائیں گے۔

لیکن ethical boundaries بھی واضح ہوں گی کہ technical skill کسی کے privacy breach، fraud یا unjust harm کے لیے استعمال نہیں ہو سکتی۔

Robotics اور Automation

Robotics، automation اور intelligent machines
engineering اور computer science کے advanced areas
میں شامل ہوں گے۔

طالب علم کو یہ سمجھایا جائے گا کہ automation کا مقصد صرف labor cost کم کرنا نہیں؛ انسان کی محنت کو خطرناک، repetitive یا degrading کاموں سے آزاد کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن automation کے نتیجے میں روزگار کے مسائل، wealth concentration اور inequality پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا technology policy، economics اور ethics کے ساتھ اس کا مطالعہ ہو گا۔

Biotechnology، Genetics اور Bioethics

Biotechnology، genetic engineering، genomics، stem-cell research، reproductive technologies اور synthetic biology آنے والے زمانے کے اہم علوم ہیں۔

یہاں اسلامی worldview کی ضرورت بہت زیادہ ہو گی کیونکہ technology انسانی زندگی کے بنیادی سوالات تک پہنچ رہی ہے۔

طالب علم scientific possibilities کے ساتھ dignity ،
human enhancement ،justice ،harm ،lineage ،consent
اور limits of intervention جیسے اخلاقی سوالات بھی سمجھے گا۔

Materials Science ،Nanotechnology اور Advanced Engineering

civil ،aerospace ،materials science ،Nanotechnology
mechanical ،electrical engineering ،engineering
environmental اور renewable energy ،engineering
engineering جیسے شعبے specialization کے لیے موجود رہیں گے۔
مگر engineering education میں ”کیا بنایا جاسکتا ہے؟“ کے ساتھ
”کیا بنانا چاہیے؟“ بھی بنیادی سوال ہو گا۔
ایک engineer کو صرف technically feasible solution نہیں
بلکہ socially responsible solution تلاش کرنا ہو گا۔

تحقیقاتی تصور کے مطابق technology،engineering اور روزگار ختم نہیں ہوں گے بلکہ ان کی سمت بدلنی ہو گی؛ technology باقی رہ سکتی ہے مگر اسے خدمت، حفاظت اور عبادت کے مقصد سے جوڑا جائے گا۔

Law اور Justice Studies

قانون کو صرف statutes اور procedures کے طور پر نہیں پڑھایا جائے گا۔

civil ،criminal law،constitutional law،Natural justice ،Islamic jurisprudence ،international law ،law، legal philosophy،human rights،comparative law اور conflict resolution شامل ہوں گے۔

طالب علم یہ سمجھے گا کہ law اور justice ایک ہی چیز نہیں؛ کبھی قانون بھی ظلم کا آلہ بن سکتا ہے۔

اس لیے قانونی education کا مقصد صرف successful lawyer بنانا نہیں بلکہ عدل کا فہم رکھنے والا legal professional بنانا ہو گا۔

Governance اور Political Science

Political science میں state، constitution، institutions، public policy، governance، democracy، authoritarianism، political economy، international relations اور geopolitics پڑھائے جائیں گے۔

اس کے ساتھ اسلامی سیاسی فکر، امامت، ولایت، عدل، شوریٰ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اجتماعی ذمہ داری اور حکمرانی کی اخلاقیات کا مطالعہ ہو گا۔

طالب علم کو blind obedience نہیں بلکہ حق کے تابع responsible citizenship سکھائی جائے گی۔

یہ خاص طور پر اس لیے ضروری ہے کہ تحقیقات میں "authority to obedience" کو ذہنی غلبے کے ایک mechanism کے طور پر زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

International Relations اور Global Studies

آج کا طالب علم عالمی نظام سے واقف ہوئے بغیر مکمل تعلیم یافتہ نہیں ہو سکتا۔

international ،diplomacy ،International relations
military ،sanctions ،global trade ،organizations
،migration،global media،international law،alliances
geopolitical اور development institutions
competition پڑھائے جائیں گے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ سوال بھی ہو گا کہ عالمی طاقت کس طرح علم،
information اور education،trade،technology،finance
کے ذریعے influence پیدا کرتی ہے۔

یہاں colonialism کو صرف ماضی کی فوجی تاریخ نہیں بلکہ
postcolonial اور neocolonial structures کے ساتھ بھی
سمجھایا جائے گا۔

تحقیقات میں تعلیمی policy ، research institutions،
scholarships، funding ،language ،technology اور
intellectual property کو بھی contemporary
dependency کے ممکنہ ذرائع کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

Civilization Studies: اپنی تہذیب اور دوسری تہذیبوں کو سمجھنا

ایک نئے نظام میں Civilization Studies ایک بنیادی مضمون ہونا چاہیے۔

طالب علم اسلامی تہذیب، ایرانی تہذیب، برصغیر، چین، افریقہ، یورپ، امریکہ اور دیگرcivilizations کا مطالعہ کرے گا۔

مقصد یہ نہیں ہو گا کہ ہر غیر اسلامی تہذیب کو برا کہا جائے بلکہ یہ سمجھنا ہو گا کہ ہر تہذیب انسان، خدا، علم، خاندان، دولت، اقتدار، اخلاق اور موت کے بارے میں کیا تصور رکھتی ہے۔

یوں طالب علم کوcomparative civilizational literacy حاصل ہو گی اور وہ اپنی تہذیبی شناخت کو بھی شعوری طور پر سمجھ سکے گا۔

Development Studies ترقی کا نیا تصور

یہ مضمون خاص اہمیت رکھتا ہے۔

موجودہ نظام میں development اکثر GDP، industrialization، urbanization، consumption، technological

advancement اور global competitiveness کے ذریعے define ہوتی ہے۔

اسلامی worldview میں ترقی کی تعریف زیادہ جامع ہو گی۔

کیا انسان زیادہ خوش، عادل، باکرامت، آزاد، علم دوست، صحت مند، خاندان دوست اور خدا شناس ہوا؟ کیا غربت کم ہوئی؟ کیا استحصال کم ہوا؟ کیا ماحول محفوظ ہوا؟ کیا طاقت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو گئی یا معاشرے میں عدل بڑھا؟ تحقیقات میں بھی جدید ترقی کے تصور کو تنقیدی طور پر evaluate کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ science، technology اور economic development مفید ہو سکتے ہیں، لیکن اگر development روحانیت، خاندان اور اخلاق کو تباہ کر کے انسان کو صرف consumer identity میں بدل دے تو اسے مکمل ترقی نہیں کہا جا سکتا۔

Environmental Ethics اور Climate Studies

،water crisis،environmental science،Climate change
اور sustainable cities ،biodiversity ،pollution
renewable energy اب optional knowledge نہیں رہ سکتے۔
مگر اسلامی نظام میں environment کو صرف "planet survival"
کے مسئلے کے طور پر نہیں دیکھا جائے گا بلکہ امانت، میزان، اعتدال اور ذمہ
داری کے ساتھ جوڑا جائے گا۔
طالب علم زمین کا صارف نہیں بلکہ ذمہ دار امین ہونے کا شعور پیدا کرے گا۔

Art،Media اور Design

Art کو بھی نصاب سے باہر نہیں کیا جائے گا۔

،filmmaking ،photography ،Graphic design
visual ،calligraphy ،architecture ،animation
communication، music کے جائز و اخلاقی پہلو، theatre اور
digital arts کو creativity اور communication کے میدان
کے طور پر دیکھا جائے گا۔

مگر art کا مقصد محض sensory stimulation یا commercial entertainment نہیں ہو گا۔ فن کو حقیقت، حسن، انسانی تجربے، اخلاق اور معنویت کے اظہار کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

یہاں "حسن" اور "جمال" کو اسلامی worldview کے ساتھ مربوط کیا جاسکتا ہے۔

Education Studies خود ایک بنیادی علم

اگر یہ پورا نظام بنانا ہے تو Education کو بھی ایک advanced discipline بنانا ہو گا۔

Future teachers صرف teaching methods نہیں پڑھیں گے بلکہ philosophy of education، Islamic pedagogy، developmental psychology، curriculum design، assessment، classroom management، educational technology، special education، learning sciences، neuroscience of learning اور comparative education پڑھیں گے۔

استاد "content deliverer" نہیں بلکہ مربی، researcherاور character-formerہو گا۔ تحقیقات میں بھی استاد کو محض معلومات منتقل کرنے والے کے بجائے روح، اخلاق اور کردار منتقل کرنے والا مربی قرار دینے کی سمت موجود ہے۔

Special Education اور Inclusive Education

معذور، neurodivergentیا مختلفlearning needs رکھنے والے بچوں کے لیے تعلیم مکملaccessibility کے ساتھ ہو گی۔

اسلامی worldview میں انسان کی قدر اس کیproductivity سے متعین نہیں ہوتی۔اس لیےspecial education charity نہیں بلکہ حق اور کرامت کا مسئلہ ہو گی۔

Physical Education، Nutritionاور Life Sciences

جسمانی تعلیم بنیادی curriculum کا حصہ ہو گی۔

،first aid ،hygiene ،sleep ،nutrition ،exercise ،Sports
basic public اور stress management ،health literacy
health سکھائے جائیں گے۔

طالب علم یہ سمجھے گا کہ جسم عبادت، علم اور خدمت کا وسیلہ ہے؛ اس لیے صحت بھی ذمہ داری ہے۔

Home Economics اور Family Studies

موجودہ نظام میں family life skills کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسلامی نظام میں family ، marriage ،parenting ،household
،conflict resolution ،communication ،management
financial planning اور care work کی تعلیم مناسب عمر کے مطابق دی جائے گی۔

مقصد یہ ہو گا کہ طالب علم زندگی کو صرف career کے طور پر نہ دیکھے بلکہ خاندان اور معاشرے کو بھی انسانی ذمہ داری کا میدان سمجھے۔

Life Skills اور Self-Mastery

،time management ،goal setting ،Self-management
،public speaking ،communication ،decision-making
،critical thinking ،conflict resolution ،negotiation
problem solving اور resilience ،emotional regulation
ہر طالب علم کے لیے مشترک ہوں گے۔

لیکن ان skills کا مقصد صرف "personal success" نہیں ہو گا بلکہ self-mastery for servanthood ہو گا۔

Citizenship اور Social Service

ہر طالب علم کو باقاعدہ community service سے گزرنا چاہیے۔

وہ یتیم خانے، elderly care، public cleanliness، literacy،
food ،disaster response ،environmental projects
distribution، community health یا کسی اور حقیقی اجتماعی خدمت میں حصہ لے۔

یہ اس لیے کہ "خدمت" کتاب میں پڑھا ہوا لفظ نہ رہے بلکہ زندگی کا تجربہ بنے۔

تعلیم کے بارے میں تحقیقات کا مواد بھی واضح کرتا ہے کہ صرف معلومات کافی نہیں؛ اخلاق، خدمت، leadership، تحقیق اور اجتماعی ذمہ داری assessment اور تربیت کا حصہ ہونے چاہییں۔

Critical Thinking اور Intellectual Self-Defense

یہ مضمون پورے نظام میں مرکزی حیثیت رکھے گا۔

طالب علم argument اور assertion میں فرق، evidence اور opinion میں فرق، correlation اور causation، propaganda، logical fallacies، cognitive biases، source evaluation، misinformation، authority bias اور confirmation bias کو سمجھے گا۔

اس کا مقصد کسی authority سے بغاوت نہیں بلکہ حق کے لیے دلیل کا شعور پیدا کرنا ہو گا۔

اس طرح طالب علم نہ ہر مغربی بات کو صحیح سمجھے گا نہ ہر مذہبی عنوان کو تحقیق کے بغیر قبول کرے گا۔

وہ دلیل، وحی، عقل، فطرت اور اخلاق کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔

Research Methodology ہر طالب علم کے لیے

Research صرف university کا مضمون نہیں ہونا چاہیے۔

ثانوی سطح سے ہی سوال بنانا، hypothesis، evidence، observation، interview، survey، statistics، source، criticism، literature review اور responsible citation سکھائے جائیں۔

یونیورسٹی میں research methodology advanced ہو گی اور ہر تخصص کے اندر integrated ہو گی۔

مقصد یہ ہو گا کہ طالب علم knowledge consumer نہ رہے بلکہ knowledge producer بنے۔

یہ نقطہ خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ تحقیقاتی مطالعات میں استعمار کے علمی غلبے سے نکلنے کے لیے تحقیق کی ترجیحات اور علمی پیداوار کی خود مختاری کو اہم مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔

مشترک مضامین اور تخصصی علوم میں فرق

پری اسکول اور ابتدائی جماعتوں میں تقریباً پورا curriculum integrated ہو گا۔ یہاں بچے کو "physics period" اور "ethics period" کے بجائے تجربہ، مشاہدہ، زبان، عدد، فطرت، قرآن، کہانی، فن اور اخلاق کے مربوط تجربے سے گزارا جائے گا۔

درمیانی جماعتوں میں بنیادی مشترک علوم مضبوط ہوں گے۔ قرآن فہمی، عربی، اردو، انگریزی، mathematics، natural sciences، social sciences، history، geography، ethics، Islamic worldview، digital literacy، physical education اور arts سب طالب علموں کے لیے مشترک رہیں گے۔

ثانوی مرحلے میں foundation کے ساتھ exploratory specialization شروع ہو گی۔ طالب علم science، technology، commerce، humanities، arts یا interdisciplinary

pathways کی طرف بڑھ سکتا ہے، مگر مشترک توحیدی، اخلاقی، فکری اور شہری تعلیم برقرار رہے گی۔

یونیورسٹی میں تخصص گہرا ہو گا، مگر کوئی specialist اپنے انسانی و تمدنی context سے منقطع نہیں ہو گا۔

مثلاً AI engineer کو ethics، economics اور philosophy سے واقفیت ہو گی؛ economist کو psychology، history اور Islamic moral economy سے؛ doctor کو ethics، psychology اور public policy سے؛ historian کو data science اور source criticism سے؛ theologian کو contemporary science، technology اور society سے واقفیت ہو گی۔

اس طرح تخصص گہرائی دے گا، مشترک علوم وسعت دیں گے، اور اسلامی worldview سمت دے گا۔

ہر مضمون کے لیے ایک ہی اسلامی integration framework

اس پورے curriculum کو منظم کرنے کے لیے ہر مضمون کے لیے ایک مستقل سوالنامہ یا framework بنایا جاسکتا ہے۔

ہر مضمون پہلے یہ بتائے گا کہ وہ حقیقت کے کس پہلو کا مطالعہ کرتا ہے۔

پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس علم کے بنیادی concepts اور assumptions کیا ہیں۔

اس کے بعد قرآن انسان، کائنات یا معاشرے کے بارے میں اس مضمون سے متعلق کون سے بنیادی اصول فراہم کرتا ہے۔

پھر اہل بیتؑ کی تعلیمات اس علم کے اخلاقی اور عملی استعمال کے بارے میں کیا بصیرت دیتی ہیں۔

اس کے بعد اس علم کا موجودہ capitalist، consumerist، secular یا imperial استعمال کہاں کہاں ہو سکتا ہے۔

پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس علم کو انسانی کرامت، عدل، خدمت، آبادکاری، آزادی اور آخرت کی جواب دہی کے ساتھ کیسے مربوط کیا جاسکتا ہے۔

اور آخر میں طالب علم سے یہ پوچھا جائے گا کہ اس علم کو استعمال کر کے وہ کون سا حقیقی انسانی مسئلہ حل کر سکتا ہے؟

یہی وہ مقام ہے جہاں curriculum محض معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ formation of a responsible human being بن جاتا ہے۔

ایک بہت اہم فرق: Islamization نہیں، Reconstruction

یہاں ایک بنیادی اصطلاحی فرق ملحوظ رہنا چاہیے۔

اگر اسلامی curriculum سے مراد یہ ہو کہ موجودہ مغربی curriculumجوں کا توں رہے اور اس میں ہر chapter کے آخر میں ایک آیت یا حدیث شامل کر دی جائے، تو یہ وہ نظام نہیں ہو گا جس کی ہمیں ضرورت ہے۔

یہ Islamization by addition ہو گی۔

ہمیں Islamic reconstruction of knowledge کی طرف جانا ہو گا۔

یعنی انسان کا تصور بدلے، علم کا تصور واضح ہو، حقیقت کے مصادر متعین ہوں، علم اور اخلاق کا تعلق قائم ہو، ترقی کی تعریف دوبارہ متعین ہو، کامیابی کی تعریف بدلے، economics میں انسان کی تعریف بدلے،

psychology میں human person کی جامع تصویر سامنے آئے، technology میں مقصد اور اخلاق داخل ہوں، history میں تہذیبی agency واپس آئے، media میں critical consciousness پیدا ہو، اور education خود انسان سازی کا منصوبہ بن جائے۔

تحقیقاتی مطالعات میں بھی واضح طور پر یہی کہا گیا ہے کہ صرف اسلامیات کا ایک مضمون بڑھانا کافی نہیں بلکہ پورے علمی ڈھانچے کو نئی بنیادوں پر سوچنا ضروری ہے۔

نصاب کا آخری مقصد: ”ماہر انسان“ نہیں، ”عبداللہ ماہر“

اس پورے نظام کا سب سے جامع اصول یہ ہو گا کہ ہم صرف expert پیدا نہیں کرنا چاہتے۔

ہمیں doctor چاہیے، مگر عبداللہ ڈاکٹر۔

Engineer چاہیے، مگر عبداللہ engineer۔

Economist چاہیے، مگر عبداللہ economist۔

Scientist چاہیے، مگر عبداللہ scientist۔

AI researcher چاہیے، مگر عبداللہ AI researcher ۔

Entrepreneur چاہیے، مگر عبداللہ entrepreneur ۔

Journalist چاہیے، مگر عبداللہ journalist۔

Teacher چاہیے، مگر عبداللہ teacher۔

Lawyer چاہیے، مگر عبداللہ lawyer۔

Artist چاہیے، مگر عبداللہ artist۔

کیونکہ اگر expertise اللہ کی بندگی، عدل اور انسانی کرامت سے کٹ جائے تو وہ طاقت بن سکتی ہے، اور طاقت اگر اخلاق سے آزاد ہو جائے تو ظلم کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے۔

اس کے برعکس جب expertise عبدیت کے تابع ہو جاتی ہے تو وہ نعمت، امانت اور خدمت بن جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تصور میں تعلیم کا مقصد صرف "ماہر" بنانا نہیں بلکہ علم، مہارت اور خیر خواہی کو یکجا کرنا ہے۔ تحقیقی نتائج کا مواد بھی اسی فرق کو واضح کرتا ہے کہ موجودہ استعماری نصاب انسان کو ماہر بنا سکتا ہے مگر ضروری نہیں کہ خیر خواہ بھی بنائے، جبکہ اسلامی نصاب علم اور مہارت کے ساتھ خیر خواہی، عدل اور انسان سازی کو مطلوب بناتا ہے۔

آخر کار نصاب کی مکمل ساخت کیا بنے گی؟

اس پورے نظام کو ایک جامع تعلیمی architecture میں رکھا جائے تو بنیادی سطح پر قرآن فہمی، عربی، اردو، انگریزی، منطق، ریاضی، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، انسانی شخصیت، اخلاق، جسمانی تربیت، فنون اور ابتدائی technologyہوں گے۔

درمیانی سطح پر ان کے ساتھ اسلامیanthropology ، سیرت و اہل بیتؑ، economics ،media literacy ،critical thinking ،environmental studies ،psychology ،sociology ،financial literacy ،programming ،digital literacy citizenship اورresearch skills شامل ہوں گے۔

ثانوی سطح پر philosophy ،comparative civilizations ، advanced ،Islamic economics ،political science ،data science،AI literacy،computer science،sciences international ،law and justice ،entrepreneurship technology ethics ،relationsاور تہذیبی و استعماری مطالعات مضبوط کیے جائیں گے۔

جامعات میں medicine، engineering، AI، computer، science، biotechnology، economics، finance، law، education، psychology، sociology، political science، media، agriculture، environmental sciences، architecture، arts، humanities اور دیگر تخصصات عالمی معیار پر پڑھائے جائیں گے، مگر ہر تخصص کو اسلامی epistemology، ethics، human dignity، justice اور service سے مربوط رکھا جائے گا۔

یوں نصاب کا مرکزی ڈھانچہ یہ ہو گا:

وحی سمت دے گی، عقل تجزیہ کرے گی، فطرت مشاہدہ کرائے گی، سائنس دریافت کرے گی، فلسفہ سوال اٹھائے گا، تاریخ نتائج دکھائے گی، اخلاق حدود متعین کرے گا، technology وسائل فراہم کرے گی، expertise مسئلہ حل کرے گی، اور عبدیت ان سب کو اللہ کی رضا اور خلقِ خدا کی خدمت کی طرف متوجہ رکھے گی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں تعلیم "نوکری کی تیاری" سے نکل کر انسان، معاشرہ اور تمدن کی تعمیر بن جاتی ہے۔

اور پھر اس نصاب کا فارغ التحصیل نوجوان صرف یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ”میں نے بہت کچھ پڑھا ہے“ بلکہ اس کے اندر یہ شعور پیدا ہو گا کہ ”مجھے بہت کچھ سونپا گیا ہے۔“

وہ اپنے علم کو ملکیت نہیں بلکہ امانت، اپنی صلاحیت کو ذاتی advantage نہیں بلکہ عطیہ، اپنے profession کو صرف career نہیں بلکہ ذمہ داری، اپنی کامیابی کو صرف personal achievement نہیں بلکہ خدمت، اور اپنی دنیاوی زندگی کو آخرت کی تیاری کا میدان سمجھے گا۔

یہی وہ تعلیمی نظام ہے جو انسان کو مادیت، صارفی ثقافت، credentialism، careerism، individualism، قومی و طبقاتی تعصب، فکری غلامی، تہذیبی احساسِ کمتری، علمی اجارہ داری، technological determinism اور طاقت کی پرستش سے بچاتے ہوئے توحید، عبدیت، کرامت، عدل، آزادی، علم، احسان، خدمت، قناعت، امانت، مقاومت اور آخرت شعوری کی طرف لے جاسکتا ہے۔

اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر آگے چل کر ایک مکمل قرآنی Curriculum Framework بنایا جاسکتا ہے، جس میں ہر مضمون کے لیے یہ متعین ہو کہ اسے پری اسکول، پرائمری، مڈل، سیکنڈری، کالج اور یونیورسٹی میں کس

ترتیب سے پڑھایا جائے، ہر مرحلے پر اس کے learning outcomes کیا ہوں، کون سی قرآنی آیات اور اہل بیتؑ کی تعلیمات اس کے بنیادی worldview کو تشکیل دیں، کون سی skills پیدا ہوں، کون سی عادات بنیں، اور آخر میں اس مضمون سے "عبداللہ" کی شخصیت میں کون سی تبدیلی مطلوب ہو۔

اگر موجودہ سیکولر یا بین الاقوامی تعلیمی نظام فوری طور پر تبدیل نہیں ہو سکتا، تو زیادہ حقیقت پسندانہ راستہ یہ ہے کہ ظاہری curriculum کو نہیں بلکہ طالب علم کی باطنی formation کو متوازی طور پر تعمیر کیا جائے۔ موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے مکمل نظامِ تعلیم کی تبدیلی کا انتظار کرنا عملی حکمت نہیں۔ یعنی طالب علم Cambridge، IB، Aga Khan، Federal Board یا کسی دوسرے نظام کی مطلوبہ academic requirements پوری کرے، مگر اس کے ساتھ ایک ایسا غیر تصادمی، تدریجی اور عمیق تربیتی نظام بھی چلے جو اسے اس پورے علمی ماحول کو سمجھنے، پرکھنے اور اپنے توحیدی worldview کے تحت استعمال کرنے کے قابل بنائے۔ موجودہ نظاموں میں بہت سی علمی، تحقیقی اور تدریسی خوبیاں موجود ہیں؛ مسئلہ صرف

subjects یا skills کا نہیں بلکہ ان کے پیچھے موجود فلسفۂ تعلیم اور تصورِ انسان کا ہے۔

سیکولر نظام کے ساتھ عبدُاللّٰہی تعلیمی ماڈل کی متوازی تعمیر

اگر فی الحال پورے تعلیمی نظام کو تبدیل کرنا ممکن نہیں تو ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ اسلامی تعلیم کے لیے دو ہی راستے نہیں ہیں کہ یا تو مکمل اسلامی نصاب قائم ہو یا پھر موجودہ سیکولر نظام کے سامنے ہتھیار ڈال دیے جائیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا اور زیادہ حکیمانہ راستہ موجود ہے :متوازی عبدُاللّٰہی تربیت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم موجودہ نظام سے وہ علمی، فنی، تحقیقی اور professional competence حاصل کرے جس کی دنیا میں ضرورت ہے، لیکن اس competence کے ساتھ اس کی شخصیت، ترجیحات، اخلاق، مقصدِ زندگی، تہذیبی شعور، عبادت، حق شناسی اور عدل پسندی کی تشکیل ایک دوسرے تعلیمی track کے ذریعے جاری رہے۔

یہ دراصل موجودہ نظام کو فوراً گرانے یا اس سے فرار اختیار کرنے کا منصوبہ نہیں بلکہ اس کے اندر رہتے ہوئے ایک ایسی نسل تیار کرنے کا عملی منہج ہے جو

اس نظام سے علمی فائدہ اٹھائے مگر اس کے worldview کی اسیر نہ بنے۔
کی مرحلے کو بھی اقتدار سے پہلے انسان کے اندرونی شعور، خوف، محبت، ترجیحات اور وفاداریوں کی تعمیر کا مرحلہ قرار دیا گیا ہے۔

اس تصور میں سب سے پہلی تبدیلی یہ ہوگی کہ ہم ''اسلامی نصاب'' اور ''اسلامی تربیت'' کو ایک ہی چیز نہیں سمجھیں گے۔ نصاب کا ایک حصہ وہ ہوگا جو school یا university کی official requirements کے تحت پڑھایا جارہا ہے، جبکہ تربیت کا ایک وسیع تر دائرہ ایسا ہوگا جو طالب علم کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرے گا کہ وہ اپنے نصاب کو سمجھ سکے، اس کے مفروضات کو پہچان سکے، اس میں موجود مفید علم کو حاصل کرے، اس کے محدود یا غیر توحیدی تصورات کو پہچانے، اور اپنی زندگی کی آخری سمت قرآن و اہل بیتؑ سے لے۔

یہاں ایک نہایت اہم احتیاط بھی ضروری ہے۔ اس متوازی نظام کو دھوکے، خفیہ سازش یا ادارے کے قوانین سے بچ نکلنے کی تکنیک نہیں بنانا چاہیے۔ مقصد کسی قانونی یا تعلیمی ضابطے کو خفیہ طور پر توڑنا نہیں بلکہ ایسی enrichment، mentoring، character formation اور worldview education پیدا کرنا ہے جو جائز، اخلاقی اور تعلیمی طور پر

قابلِ دفاع ہو۔ یعنی اصل حکمت "چھپانے" سے زیادہ "غیر تصادمی integration "میں ہے۔

موجودہ نظام کو مکمل دشمن سمجھنے کے بجائے اسے خام academic infrastructure سمجھنا

یہ نقطہ بہت بنیادی ہے۔ اگر طالب علم Cambridge میں mathematics، physics، chemistry، biology، economics، computer science یا English پڑھ رہا ہے تو ضروری نہیں کہ اس علم کا ہر جزو باطل ہو۔ اسی طرح analytical thinking، research، laboratory work، conceptual learning، communication skills، programming، project-based learning اور statistics اپنی ذات میں کسی خاص تہذیب کی ملکیت نہیں۔

مختلف موجودہ تعلیمی نظاموں میں تحقیق، analytical thinking، conceptual clarity، creativity، interdisciplinary understanding اور عوامی رسائی جیسی بہت سی مفید خصوصیات موجود

ہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ صلاحیتیں کس مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور ان کے پیچھے انسان اور کامیابی کا تصور کیا ہے۔

اس لیے ہماری حکمت عملی یہ نہیں ہونی چاہیے کہ بچے کو کہا جائے کہ ”جو کچھ تم school میں پڑھتے ہو وہ غلط ہے“۔ ایسا کرنے سے بچہ یا تو ذہنی انتشار کا شکار ہو گا یا گھر اور school کے درمیان مصنوعی تقسیم پیدا ہو جائے گی۔

اس کے بجائے اسے یہ سکھایا جائے کہ علم حاصل کرو، پوری محنت سے حاصل کرو، اپنے استاد کا احترام کرو، examination میں excellence دکھاؤ، مگر ہر علم کو اس کے اپنے دائرے میں سمجھو اور اس کے worldview کو بلا تحقیق اپنا عقیدہ نہ بناؤ۔

یہی وہ مقام ہے جہاں intellectual independence پیدا ہوتی ہے۔

دوہری کامیابی: academic excellence اور عبدُاللّٰہی excellence

متوازی نظام کا پہلا اصول یہ ہونا چاہیے کہ اسلامی تربیت academic performance کی دشمن نہ بنے بلکہ اسے بہتر بنائے۔

بچے کو یہ احساس نہیں دیا جائے گا کہ دنیاوی تعلیم ثانوی اور دینی تربیت ہی اصل ہے، اس لیے mathematics میں کمزور رہنا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کے برعکس اسے یہ بتایا جائے گا کہ اگر اللہ نے تمہیں عقل دی ہے تو اسے پوری قوت سے استعمال کرنا بھی امانت ہے۔

اس لیے طالب علم اپنے official syllabus میں بھی بہترین کارکردگی دکھائے گا۔ وہ mathematics میں مہارت حاصل کرے گا، science میں research کرے گا، English اور دوسری زبانیں سیکھے گا، computer science پڑھے گا، AI کو سمجھے گا، communication skills حاصل کرے گا اور professional competence پیدا کرے گا۔

لیکن اس کامیابی کی تعریف بدل جائے گی۔

اسے یہ نہیں سکھایا جائے گا کہ "تمہارے 95 فیصد نمبر ہی تمہاری قدر ہیں" بلکہ یہ کہ "95 فیصد نمبر تمہاری academic performance کا ایک پیمانہ ہیں، تمہاری انسانی قدر کا نہیں۔"

یوں examination اس کے لیے وسیلہ ہو گا، identity نہیں۔

یہ فرق بہت اہم ہے موجودہ نظام میں تعلیم اکثر degree ، employment، market value اور credential کی طرف محدود ہو جاتی ہے، جبکہ مطلوبہ مکی شعور انسان کو بندگی، حق شناسی، عدل اور تہذیبی ذمہ داری سے جوڑنا چاہتا ہے۔

ایک official curriculum ، دوسرا formation curriculum

عملاً ہر school یا university میں دو سطحوں پر کام ہو سکتا ہے۔

پہلی سطح وہ official academic curriculum ہو گا جس کی examination، board، university یا accreditation کے تقاضے پورے کرنا ضروری ہیں۔ دوسری سطح formation curriculum ہو گی، جس کا مقصد طالب علم کے اندر وہ شخصیت پیدا کرنا ہے جسے official examination عموماً measure نہیں کرتی۔

یہ formation curriculum لازماً الگ textbook یا "اسلامی متبادل syllabus" کے نام سے نہیں ہو گا۔ یہ morning mentoring ، homeroom conversations، reading circles، teacher–

reflective ،character activities ،student dialogue ،writing ،community service ،supervised projects ،family engagement ،Qur'an study، سیرت و اہل بیتؑ کے مطالعے،discussion-based sessions اور عملی زندگی کے تجربات کے ذریعے تشکیل پائے گا۔

یوں ایک ہی طالب علم بیک وقت physics کا طالب علم بھی ہو گا اور امانت کا طالب علم بھی؛economics کا طالب علم بھی ہو گا اور عدل کا طالب علم بھی؛ computer science کا طالب علم بھی ہو گا اور ذمہ دار technology user بھی۔

یہی اصل parallel curriculum ہو گا۔

سب سے اہم چیز: ہفتے کے چند گھنٹے نہیں، پورے ہفتے کا hidden curriculum

اگر ہم سمجھیں کہ ہفتے میں ایک گھنٹہ قرآن یا اخلاق پڑھا دینے سے عبدُاللّٰہی انسان بن جائے گا تو یہ ناکافی ہو گا۔

موجودہ تعلیمی نظام بھی صرف کتاب سے شخصیت نہیں بناتا؛ اس کے teacher behavior، competition، grading، timetable، peer assemblies، uniforms، punishments، rewards، success اور career counseling، advertising، culture narrativesسب مل کر ایک hidden curriculum بناتے ہیں۔

اسی طرح ہمیں بھی عبدُاللّٰہی hidden curriculum بنانا ہو گا۔

اگر school کا official message یہ ہو کہ "سب سے آگے نکلو" مگر teacherکا عملی رویہ یہ ہو کہ کمزور بچے کو حقیر سمجھا جائے تو اخلاقی تربیت شکست کھا جائے گی۔

اگر school میں community service کا lecture ہو مگر پورا نظام صرف grades اور elite universities کے admission کے گرد گھومتا ہو تو بچہ lecture نہیں بلکہ institutional priorities سیکھے گا۔

اگر ہم قناعت کی بات کریں مگر school culture مسلسل branded consumption، status competition اور appearance-based prestige کو reward کرے تو بچہ قناعت نہیں سیکھے گا۔

اس لیے عبدُاللّٰہی ماڈل کی اصل طاقت اس کے روزمرہ ماحول میں ہو گی۔

”عبدُاللّٰہی احساس“ کو نصابی مضمون نہیں، زندگی کا زاویہ بنانا

یہاں ایک نہایت اہم تبدیلی درکار ہے۔

عبدُاللّٰہی احساس کوئی subject نہیں ہے جسے timetable میں ”Abdullah Studies“ کے نام سے رکھا جائے اور پھر امتحان لے لیا جائے۔

یہ ایک inner orientation ہے۔

بچہ جب پانی پیتا ہے تو نعمت کا احساس کرے۔

جب homework کرتا ہے تو ذمہ داری کا احساس کرے۔

جب examination دیتا ہے تو دیانت کا احساس کرے۔

جب کامیاب ہو تو شکر کرے۔

جب ناکام ہو تو صبر اور self-correction کرے۔

جب کسی کمزور طالب علم کو دیکھے تو superiority نہیں بلکہ ذمہ داری محسوس کرے۔

جب career کا انتخاب کرے تو صرف salary نہیں بلکہ صلاحیت، خدمت اور ضرورت بھی دیکھے۔

جب کسی advertisement کو دیکھے تو فوراً consumer نہ بنے بلکہ یہ پوچھ سکے کہ مجھے یہ چیز کیوں چاہی جا رہی ہے۔

جب کوئی political یا social claim سنے تو فوراً emotional reaction کے بجائے دلیل طلب کرے۔

جب کوئی powerful person دیکھے تو محض power سے مرعوب نہ ہو۔

اور جب ظلم دیکھے تو کم از کم اس کی اخلاقی حقیقت کو پہچان سکے۔

یہی عبدُاللّٰہی احساس ہے۔

”ہر مضمون کے اندر ایک اسلامی سوال“

اگر official syllabus کو بدلنا مشکل ہو تو اس کے اندر ایک نہایت مؤثر تبدیلی کی جا سکتی ہے: ہر بڑے academic concept کے ساتھ ایک انسانی، اخلاقی یا توحیدی سوال پیدا کرنا۔

مثلاً economics میں طالب علم inflation پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مہنگائی کے اثرات معاشرے کے کمزور طبقے پر کیسے پڑتے ہیں اور معاشی policy میں عدل کا کیا مفہوم ہے۔

Biology میں genetics پڑھتا ہے تو سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ scientific capability اور ethical responsibility کے درمیان کیا تعلق ہے۔

AI میں machine learning پڑھتا ہے تو سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ algorithmic efficiency اور human dignity میں توازن کیسے پیدا ہو گا۔

History میں colonialism پڑھتا ہے تو سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ طاقت تاریخ کو کس طرح بیان کرتی ہے۔

Media میں advertising پڑھتا ہے تو سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہماری خواہشات واقعی ہماری اپنی ہیں یا market انہیں تشکیل دیتا ہے۔

Business میں profit پڑھتا ہے تو سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ profit اور exploitation میں فرق کہاں پیدا ہوتا ہے۔

Psychology میں conformity پڑھتا ہے تو سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان کب social pressure کے سامنے حق سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ Technology میں automation پڑھتا ہے تو سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ efficiency کے ساتھ انسانی dignity کا تحفظ کیسے کیا جائے۔

یہ questions کسی chapter کے official examination کا حصہ نہ بھی ہوں، پھر بھی طالب علم کے اندر آہستہ آہستہ ایک قرآنی lens تشکیل دیں گے۔

قرآن کو الگ خانہ نہیں، interpretive lens بنانا

یہاں قرآن فہمی کا ایک نیا انداز درکار ہو گا۔

مثلاً قرآن کی آیات کو صرف نماز، روزہ، آخرت اور اخلاق کے ساتھ محدود رکھنے کے بجائے انسان، علم، تاریخ، عدل، مال، طاقت، فطرت، خاندان، تہذیب، جہالت، استکبار، ظلم، صبر، شکر، عمل اور ذمہ داری کے بنیادی concepts کے طور پر پڑھایا جائے۔

پھر جب طالب علم school میں انہی موضوعات کے secular concepts پڑھے تو اس کے ذہن میں پہلے سے ایک conceptual vocabulary موجود ہو۔

مثلاً وہ "consumerism" کا لفظ school میں سنے تو اسے خواہش، اسراف، قناعت اور دنیاوی ترجیحات کے قرآنی مباحث سے جوڑ سکے۔

وہ "power" پڑھے تو اسے ظلم، استکبار، عدل، اطاعت اور ذمہ داری کے سوالات سے جوڑ سکے۔

وہ "development" پڑھے تو اسے فلاح، فساد، آبادکاری، میزان اور انسانی کرامت سے جوڑ سکے۔

وہ "freedom" پڑھے تو اسے خواہش کی غلامی اور عبودیت کے تصور سے بھی جوڑ سکے۔

یوں قرآن اس کے ذہن میں صرف ایک کتاب نہیں بلکہ reality-reading framework بنانا شروع ہو گا۔

اہل بیتؑ کی سیرت کو conceptual training بنانا

اسی طرح اہل بیتؑ کا مطالعہ صرف واقعات اور فضائل تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔

امام علیؑ کو صرف ایک تاریخی شخصیت کے طور پر نہیں بلکہ عدل، governance، knowledge، courage اور responsibility کے model کے طور پر پڑھا جائے۔

امام حسینؑ کو صرف کربلا کے واقعات کے طور پر نہیں بلکہ dignity، resistance، sacrifice، truthfulness اور anti-oppression consciousness کے model کے طور پر سمجھا جائے۔

امام سجادؑ کو اجتماعی شکست کے بعد spiritual reconstruction اور تربیت کے model کے طور پر دیکھا جائے۔

امام باقرؑ اور امام صادقؑ کو علمی civilization-building کے model کے طور پر پڑھا جائے۔

امام موسیٰ کاظمؑ سے صبر اور اخلاقی استقامت، امام رضاؑ سے intellectual dialogue، اور دیگر ائمہؑ کی زندگیوں سے مختلف تاریخی حالات میں حق کی حفاظت کے طریقے اخذ کیے جائیں۔

اس سے طالب علم کو ایک ایسی intellectual lineage ملے گی جو اسے اپنی تہذیبی تاریخ سے جوڑے گی۔

مکی شعور کا بنیادی اصول: پہلے سوال بدلیں

موجودہ system میں اکثر بچے سے پوچھا جاتا ہے: ”تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟“

عبدُاللّٰہی model اس سوال کو ختم نہیں کرے گا، بلکہ اس سے پہلے ایک اور سوال رکھے گا:

''تم کس قسم کے انسان بنو گے؟''

اس کے بعد career کا سوال آئے گا۔

پھر اگلا سوال ہو گا:

''جو بنو گے، اسے کس مقصد کے لیے استعمال کرو گے؟''

پھر:

''تمہاری کامیابی سے دوسروں کو کیا فائدہ ہو گا؟''

اور آخر میں:

''اگر تمہیں اپنے فائدے اور حق کے درمیان انتخاب کرنا پڑے تو تم کیا کرو گے؟''

یہی سوالات انسان کو professional identity سے اٹھا کر moral identity کی طرف لے جاتے ہیں۔

مکی شعور کا اصل کام بھی یہی ہے کہ انسان کی ترجیحات، خوف، محبتیں اور وفاداریاں تبدیل ہوں۔ مکی مرحلہ اسی داخلی اور فکری reconstruction کا دور ہے۔

گھر کو دوسرا مدرسہ نہیں بلکہ پہلی فکری پناہ گاہ بنانا

جب school کا official system ہماری مطلوبہ worldview نہیں دے رہا ہو تو گھر کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

لیکن گھر کو school کا دوسرا lecture hall نہیں بنانا چاہیے۔

والدین بچے کو ہر روز لمبی مذہبی تقریر کریں تو ممکن ہے وہ دین کو academic burden سمجھنے لگے۔

اس کے بجائے گھر میں زندہ اسلامی environment پیدا کیا جائے۔

نماز گھر کے معمول کا حصہ ہو۔

قرآن محض امتحان کے لیے نہیں بلکہ زندگی کے سوالات کے جواب کے لیے پڑھا جائے۔

اہل بیتؑ کی سیرت گھر کے conversations میں آئے۔

بچے کے سوالات کو دبایا نہ جائے۔

اگر وہ پوچھے کہ school" میں یہ کیوں پڑھایا جاتا ہے؟" تو اسے ڈانٹنے کے بجائے دلیل سے سمجھایا جائے۔

اگر وہ کسی secular idea سے متاثر ہو تو فوراً اسے "گمراہ" قرار دینے کے بجائے پوچھا جائے کہ اس idea میں تمہیں کیا اچھا لگا؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟ اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ قرآن اور عقل اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

والدین کی فکری تربیت اور گھر میں پہلے سے متبادل اسلامی زاویہ فراہم کرنا اہم ہے تاکہ بچہ school یا university میں مختلف نظریات کا سامنا کرے تو اس کے پاس پہلے سے ایک intellectual framework موجود ہو۔

"pre-bunking" : نظریاتی حملے کے بعد نہیں، پہلے تیاری

یہاں ایک نہایت مؤثر تعلیمی حکمت عملی یہ ہو سکتی ہے کہ بچے کو ہر نظریے کے خلاف بعد میں دفاع نہ سکھایا جائے بلکہ پہلے ہی یہ سمجھایا جائے کہ مختلف نظریات دنیا کو کس طرح دیکھتے ہیں۔

مثلاً جب وہ school میں liberalism پڑھے تو گھر میں اسے صرف "لبرلزم غلط ہے" نہ کہا جائے، بلکہ سمجھایا جائے کہ liberalism انسان، آزادی اور ریاست کے بارے میں کیا تصور رکھتا ہے۔

جب capitalism پڑھے تو اسے اس کی productive strengths اور اس کی ممکنہ ethical problems دونوں سمجھائی جائیں۔

جب secularism پڑھے تو اسے یہ سمجھایا جائے کہ religion اور public life کے تعلق کے بارے میں اس کے مختلف models کیا ہیں۔

جب Darwinian evolution یا neuroscience پڑھے تو اسے خوفزدہ کرنے کے بجائے scientific claim ، philosophical interpretation اور theological question میں فرق سکھایا جائے۔

یہ طریقہ بچے کو دفاعی ذہن کے بجائے critical and confident mind دے گا۔

بچوں کو ہر بات بلا سوال قبول کرنے کے بجائے تحقیق، دلیل اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں جانچنے کی عادت ڈالنا ضروری ہے۔

Examination کے بغیر assessment کیسے ہو گی؟

یہ آپ کے سوال کا سب سے اہم حصہ ہے۔

اگر موجودہ نظام عبدُاللّٰہی consciousness کو marks نہیں دیتا تو ہمیں اسے marks کے پیچھے نہیں لگانا چاہیے۔

اس تربیت کا مقصد ایسے بچے پیدا کرنا نہیں کہ وہ ''اسلامی اخلاق'' میں 95 فیصد لے آئیں۔

اس کے بجائے assessment کو observation اور formation کی صورت میں رکھا جائے۔

مثلاً mentor یہ دیکھے کہ بچہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے یا نہیں، اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے یا نہیں، کمزور ساتھی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے، اختلاف میں دلیل دیتا ہے یا تحقیر، کامیابی پر تکبر کرتا ہے یا شکر، ناکامی پر ٹوٹ جاتا ہے یا دوبارہ کوشش کرتا ہے، اپنی خواہش کو control کر سکتا ہے یا نہیں، اور کسی social claim کو evidence کے بغیر قبول کرتا ہے یا نہیں۔

یہ چیزیں formal marks میں تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔

بلکہ ہر طالب علم کا ایک growth portfolio ہو سکتا ہے جس میں اس کی reflection، service، projects، reading، research، leadership اور personal goals کا record ہو۔

یہ university admission portfolio یا board examination کے لیے لازمی نہ بھی ہو، پھر بھی mentor اور family کو معلوم ہو گا کہ طالب علم کی اندرونی growth کہاں تک پہنچی ہے۔

یوں عبدُاللّٰہی تربیت examination-oriented نہیں بلکہ life-oriented assessment بن جائے گی۔

عبادت کو school life سے جوڑنا

اگر نماز school سے باہر کی چیز بن جائے تو طالب علم کے ذہن میں دین اور زندگی الگ compartments بن جائیں گے۔

اس لیے جہاں ادارے کے ماحول اور قوانین اجازت دیں، نماز کے لیے باقاعدہ سہولت، قرآن سے روزانہ مختصر تعلق، دعا، شکر اور reflection کے مواقع پیدا کیے جائیں۔

لیکن اصل مقصد rituals کی تعداد بڑھانا نہیں ہو گا۔

نماز کے بعد بچہ یہ سوچے کہ آج میں نے کسی پر ظلم تو نہیں کیا؟

قرآن پڑھنے کے بعد یہ سوچے کہ اس آیت کا میری زندگی سے کیا تعلق ہے؟

دعا کے بعد یہ سوچے کہ میں اپنی ذمہ داری میں کیا کر رہا ہوں؟

اس طرح عبادت behavioral transformation سے جڑے گی۔

"کام عبادت ہے" کو عملی طور پر کیسے پیدا کیا جائے؟

یہ تصور خاص طور پر school environment میں بہت طاقتور ہو سکتا ہے۔

طالب علم کو یہ سکھایا جائے کہ homework اس لیے نہیں کہ teacher سے ڈانٹ نہ پڑے بلکہ اس لیے کہ اللہ نے تمہیں ذمہ داری دی ہے۔

Science experiment اس لیے نہیں کہ marks ملیں بلکہ اس لیے کہ تمہیں کائنات کو سمجھنے کی صلاحیت دی گئی ہے۔

Cleaning اس لیے نہیں کہ punishment ہے بلکہ اس لیے کہ پاکیزگی اور اجتماعی ذمہ داری مطلوب ہے۔

Team project اس لیے نہیں کہ grade ملے بلکہ اس لیے کہ دوسرے انسان کے ساتھ امانت اور تعاون سیکھنا ہے۔

Examination میں cheating نہ کرنا صرف "school rule" نہیں بلکہ امانت ہے۔

Career میں excellence صرف professional ambition نہیں بلکہ اللہ کی دی ہوئی صلاحیت کا حق ادا کرنا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں موجودہ secular curriculum کی activity بھی عبدُاللّٰہی تربیت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

Consumerism کا مقابلہ lectures سے نہیں، lifestyle سے

اگر بچہ school میں consumer culture دیکھتا ہے تو اسے صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ "مادیت بری ہے"۔

اسے ایک متبادل experience دینا ہو گا۔

گھر میں ہر خواہش فوراً پوری نہ کی جائے۔

چیز خریدنے سے پہلے ضرورت اور خواہش میں فرق سمجھایا جائے۔

Brand کو quality کا واحد معیار نہ بنایا جائے۔

repair، reuse، sharing اور simplicity کو قدر دی جائے۔

بچے کو یہ تجربہ ہو کہ کم چیزوں کے ساتھ بھی خوشی، عزت اور creativity ممکن ہے۔

پھر وہ consumer culture کا نظریہ کتاب سے نہیں بلکہ اپنی زندگی کے تجربے سے سمجھ سکے گا۔

Career guidance کو عبدُاللّٰہی بنانا

موجودہ نظام میں career counseling عموماً salary، scope، university ranking اور job market کے گرد گھومتی ہے۔

اس کے ساتھ ایک دوسرا layer شامل کیا جاسکتا ہے۔

طالب علم سے پوچھا جائے کہ اس کی natural strengths کیا ہیں، وہ کس کام میں excellence حاصل کر سکتا ہے، معاشرے کو کس skill کی ضرورت ہے، اس profession میں کون سی ethical challenges ہیں، اور وہ اپنی expertise کو کس طرح خیر کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

یوں "کیا بننا ہے؟" کے سوال کو "کس طرح خدمت کرنی ہے؟" سے جوڑ دیا جائے گا۔

یہ بھی اس broader principle سے مطابقت رکھتا ہے کہ مطلوبہ تعلیم کا مقصد صرف professional expertise نہیں بلکہ علم، مہارت اور خیر خواہی کو ایک ساتھ پیدا کرنا ہے۔

استاد اس متوازی نظام کا سب سے اہم ستون ہو گا

اگر teacher خود عبدُاللّٰہی شعور نہیں رکھتا تو بہترین curriculum بھی محدود ہو جائے گا۔

ضروری نہیں کہ ہر teacher عالمِ دین ہو۔ لیکن اسے کم از کم اتنا شعور ہونا چاہیے کہ وہ طالب علم کو ذلیل نہ کرے، grades کو انسانی قدر کا معیار نہ بنائے، سوال کرنے سے نہ روکے، طاقت کے سامنے اندھی اطاعت نہ سکھائے، اور academic excellence کو اخلاقی ذمہ داری سے جوڑ سکے۔

ایک mathematics teacher صرف mathematics پڑھا سکتا ہے، مگر وہ دیانت، precision، perseverance اور intellectual humility بھی cultivate کر سکتا ہے۔

ایک science teacher curiosity، evidence اور wonder پیدا کر سکتا ہے۔

ایک history teacher source criticism اور justice consciousness پیدا کر سکتا ہے۔

ایک sports teacher discipline، teamwork اور humility پیدا کر سکتا ہے۔

ایک English teacher عالمی literature کے ساتھ cultural discernment پیدا کر سکتا ہے۔

یوں ہر teacher مکمل اسلامیات teacher بننے کے بجائے عبدُاللّٰہی formation کا contributor بن سکتا ہے۔

چھوٹے، غیر نمایاں مگر مسلسل تربیتی units

اگر کھلے طور پر ایک بڑا "اسلامی alternative curriculum" قائم کرنا ممکن نہ ہو تو بڑے programme کے بجائے چھوٹے مگر مسلسل تربیتی units زیادہ مؤثر ہو سکتے ہیں۔

مثلاً روزانہ چند منٹ کا reflective moment، ہفتے میں ایک mentoring session، ماہانہ ایک thematic discussion، ہر term میں ایک social service project، ہر semester میں ایک worldview-oriented reading project اور سال میں چند serious family seminars۔

یہ سب مل کر سال کے آخر میں شاید بہت کم وقت بنتا ہے، مگر کئی سالوں میں یہی چھوٹے تجربات شخصیت کی structure تبدیل کر سکتے ہیں۔

یہ مکی منہج کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے، کیونکہ مکی مرحلہ بھی ایک دن میں انقلاب نہیں تھا؛ یہ مسلسل فکر، تذکیر، تربیت، آزمائش اور شخصیت سازی کا عمل تھا۔

چھوٹے حلقے: mass education کے بجائے formation communities

بڑی کلاس میں ہر طالب علم کی باطنی تربیت مشکل ہوتی ہے۔

اس لیے school یا community level پر چھوٹے mentoring circles بہت مؤثر ہو سکتے ہیں۔

ایک mentor کے ساتھ چند طلبہ بیٹھیں، اپنی academic مشکلات، ethical dilemmas، social media experiences، career concerns، friendships، failures اور intellectual questions پر گفتگو کریں۔

وہاں lecture کم اور dialogue زیادہ ہو۔

بچے کو اپنے سوالات بیان کرنے کی آزادی ہو۔

اس طرح ایک ایسا intellectual environment بنے گا جہاں وہ اپنے school کی secular intellectual world اور اپنے دینی worldview کے درمیان پل بنانا سیکھے گا۔

''ہم اور وہ'' کی ذہنیت سے بچنا

یہ متوازی نظام اس وقت ناکام ہو سکتا ہے جب ہم بچوں کے اندر ہر وقت ''ہم'' اور ''وہ'' کی ذہنیت پیدا کر دیں۔

بچے کو یہ نہیں سکھانا چاہیے کہ جو school میں پڑھایا جاتا ہے وہ سب دشمنوں کی سازش ہے۔

یہ بھی نہیں کہ ہر مغربی teacher یا scientist استعماری ایجنٹ ہے۔

اور نہ یہ کہ جدید technology یا science سے دور رہنا تقویٰ ہے۔

اس کے بجائے اسے یہ سکھایا جائے کہ حق جہاں ملے اسے قبول کرو، باطل جہاں ہو اسے پہچانو، علم جہاں سے ملے اسے حاصل کرو، مگر اپنی ultimate loyalty اللہ اور حق کے ساتھ رکھو۔

اس سے طالب علم defensive، paranoid یا intellectually isolated نہیں ہو گا بلکہ confident، discerning اور مستقل مزاج بنے گا۔

اصل دفاع: تہذیبی احساسِ کمتری کا خاتمہ

استعماری اثرات سے بچانے کا مطلب صرف مغربی چیزوں کو برا کہنا نہیں ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ بچہ اپنے بارے میں کیا سمجھتا ہے۔

اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ ترقی کا مطلب مغرب کی نقل ہے، intelligence کا مطلب مغربی accent ہے، sophistication کا مطلب مغربی lifestyle ہے، history کا مطلب Europe ہے، science کا مطلب West ہے اور success کا مطلب Western approval ہے تو وہ ذہنی طور پر dependent رہے گا۔

اس احساسِ ذہنی انحصار کی ضرورت ہے کہ علم، technology، research، language اور expertise کے ذریعے یہ تصور پیدا کیا جاسکتا ہے کہ ترقی کے لیے دوسروں کی intellectual authority ضروری ہے۔

اس کا علاج بچوں کو isolated بنانا نہیں بلکہ انہیں یہ دکھانا ہے کہ وہ اپنی تہذیبی روایت کے وارث بھی ہیں اور جدید دنیا کے active participants بھی۔

وہ Shakespeare بھی پڑھ سکتا ہے اور حافظ بھی؛ Newton بھی پڑھ سکتا ہے اور ابن الہیثم بھی؛ modern psychology بھی سمجھ سکتا ہے اور اسلامی اخلاقی و نفسیاتی روایت بھی؛ AI بھی بنا سکتا ہے اور اس کے ethical مقصد پر قرآن واہل بیتؑ کی روشنی میں غور بھی کر سکتا ہے۔

یہی intellectual confidence ہے۔

"Alternative Parallel Track" کا عملی نتیجہ

اس پورے تصور کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک ہی طالب علم بیک وقت دو تعلیمی دنیاوں میں حرکت کرے گا۔

اس کی پہلی دنیا اسے بتائے گی کہ mathematics کیسے حل کرنی ہے، scientific paper کیسے لکھنا ہے، programming کیسے کرنی ہے، economics کیسے سمجھنی ہے، university میں کیسے داخل ہونا ہے اور profession میں کیسے کامیاب ہونا ہے۔

دوسری دنیا اسے بتائے گی کہ یہ سب کیوں کرنا ہے، اس کامیابی کا مقصد کیا ہے، علم کس کی امانت ہے، طاقت کا اخلاقی استعمال کیا ہے، ظلم کے ساتھ تعاون کہاں شروع ہوتا ہے، انسان کی اصل قدر کیا ہے، دنیا کی حیثیت کیا ہے اور آخرت اس پورے سفر میں کہاں ہے۔

پہلی دنیا اسے competent بنائے گی۔

دوسری اسے conscientious بنائے گی۔

پہلی اسے employable بنائے گی۔

دوسری اسے responsible بنائے گی۔

پہلی اسے professional بنائے گی۔

دوسری اسے عبدُاللہ بنائے گی۔

اور ہمیں دونوں کی ضرورت ہے۔

اس model میں طالب علم کو ”دوہری شخصیت“ نہیں بنانا

یہ بھی بہت اہم ہے کہ طالب علم school میں ایک شخصیت اور گھر میں دوسری شخصیت نہ بنے۔

ہم اسے یہ نہیں سکھائیں گے کہ school" میں جو پوچھیں وہ جواب دے دینا، گھر آکر اصل بات سمجھ لینا۔" یہ intellectual dishonesty پیدا کرے گا۔

اس کے بجائے اسے سکھایا جائے گا کہ وہ academic question کا academic answer دے، مگر اس کے philosophical implications کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھے۔

مثلاً اگر examination میں کسی theory کے proponents کے arguments پوچھے گئے ہیں تو طالب علم انہیں صحیح طور پر بیان کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لازماً ان arguments کو اپنا عقیدہ سمجھتا ہے۔

Understanding is not surrender.

کسی نظریے کو صحیح طور پر سمجھ لینا اس کا پیروکار بن جانا نہیں ہے۔

یہ distinction ایک آزاد اور بالغ ذہن پیدا کرے گی۔

آخر میں: متوازی نظام کا اصل architecture

اس پورے model کو ایک جملے میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

parallel Islamic ، competence سے Official education formation ، consciousness سے ، گھر spirituality سے ،

mentoring سے reflection، سیرت و قرآن سے worldview ، community service سے responsibility ، اور عملی زندگی سے عبدیت پیدا کی جائے۔

یوں ہم موجودہ نظام کے academic حصے سے وہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں جو واقعی مفید ہے، مگر اس کے ہر worldview assumption کو طالب علم کے ذہن میں absolute authority نہیں بننے دیں گے۔

موجودہ system اسے یہ سکھائے گا کہ دنیا کیسے چل رہی ہے۔

اسلامی formation اسے یہ سکھائے گی کہ دنیا کو کس نظر سے دیکھنا ہے۔

موجودہ system اسے بتائے گا کہ market میں کیسے کامیاب ہونا ہے۔

عبدُاللّٰہی formation اسے بتائے گی کہ market میں اپنی روح کیسے نہیں بیچنی۔

موجودہ system اسے power کے mechanisms سکھائے گا۔

اسلامی formation اسے بتائے گی کہ power کو ظلم کا ذریعہ نہیں بنانا۔

موجودہ system اسے technology دے گا۔

اسلامی formation اسے بتائے گی کہ technology کس مقصد کے لیے استعمال کرنی ہے۔

موجودہ system اسے career دے گا۔

اسلامی formation اسے mission دے گی۔

موجودہ system اسے دنیا میں کامیابی کے لیے تیار کرے گا۔

اسلامی formation اسے یہ شعور دے گی کہ دنیا کامیابی کی آخری منزل نہیں بلکہ آخرت کی طرف سفر کا میدان ہے۔

اور یوں ممکن ہے کہ ایک بچہ بظاہر اسی classroom میں بیٹھا ہو جس میں باقی سب بچے بیٹھے ہیں، وہی textbook پڑھ رہا ہو، وہی examination دے رہا ہو، وہی university میں داخلہ لے رہا ہو، وہی modern technology استعمال کر رہا ہو، وہی professional career اختیار کر رہا ہو، مگر اس کے اندر ایک بالکل مختلف مرکزِ ثقل پیدا ہو چکا ہو۔

اس کی اصل شناخت اس کا grade نہیں ہو گی۔

اس کی اصل شناخت اس کا profession نہیں ہو گی۔

اس کی اصل شناخت اس کا social status نہیں ہو گی۔

اس کی اصل شناخت یہ ہو گی:

میں اللہ کا بندہ ہوں۔

اور اسی ایک احساس کے زیرِ اثر وہ علم حاصل کرے گا، محنت کرے گا، کمائے گا، ایجاد کرے گا، تحقیق کرے گا، leadership کرے گا، دنیا میں آگے بڑھے گا، مگر اپنے آپ کو دنیا کا غلام نہیں بنائے گا۔

یہی شاید موجودہ حالات میں مکمل اسلامی تعلیمی انقلاب کا سب سے حقیقت پسندانہ مکی ماڈل ہے: پہلے ادارے کو بدلنے کی بجائے انسان کو اس قابل بنانا کہ وہ ادارے کے اندر رہتے ہوئے اس کے ہر مفید حصے سے فائدہ اٹھائے، اس کے غیر توحیدی اثرات کو پہچانے، اپنی روح اور فکر کی حفاظت کرے، اور وقت آنے پر خود ایسے ادارے، نصاب اور تمدنی ڈھانچے تعمیر کر سکے جو عبدُاللّٰہی انسان کی ضرورتوں کے مطابق ہوں۔

اس اعتبار سے موجودہ secular school ہمارے لیے منزل نہیں بلکہ ایک محدود academic infrastructure ہے؛ اصل منزل وہ انسان ہے جو اس infrastructure کو استعمال کر کے بھی اپنے رب سے اپنا تعلق، اپنی تہذیبی خودی، اپنی اخلاقی آزادی اور اپنی آخرت کی جواب دہی نہ کھوئے۔

بنیادی حل اسی طرف اشارہ کرتا ہے: پہلے ایسی نسل پیدا کی جائے جو سرمایہ دارانہ consumer culture، استعماری ذہنیت اور طاغوتی بیانیوں کو پہچان

سکے؛ پھر جب شعور بدلتا ہے تو تعلیمی اداروں، معیشت، سیاست، میڈیا اور معاشرتی ڈھانچوں کو بھی بدلنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

اس لیے فی الحال ہمارا ہدف "اسلامی "school بنانا نہیں بلکہ "عبدُاللّٰہی طالب علم" بنانا ہونا چاہیے۔ جب ایسے طالب علم ایک نسل، پھر دو نسلیں بن جائیں تو یہی طالب علم آگے چل کرteacher ، professor، researcher، doctor، engineer، economist، entrepreneur، policymakerjournalist، اور educational leader بنیں گے؛ اور اس وقت اسلامی نظام صرف ایک مضمون یا متبادل syllabus نہیں ہو گا بلکہ علم پیدا کرنے والے انسانوں کے ذریعے پورے علمی و تمدنی نظام کی از سرِ نو تعمیر کی قوت بن چکا ہو گا۔